اے۔بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

فون نمبر دارالعلوم۔ ۴   لہ دعوۃ الحق   فون نمبر رہائش۔ ۲

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد نمبر ۱   محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

شمارہ نمبر ۱   اکتوبر ۱۹۸۲ء

ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

- پاکستان میں سالانہ ۳۰/- روپے فی پرچہ ۳ روپے
- بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

الحمدللہ کہ ماہنامہ الحق سن ہجری کے نئے سال ۱۴۰۲ھ سے اپنی حیات فانی کے اٹھارویں سال میں قدم رکھ کر دعوت الی اللہ اور اشاعت حق کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہو رہا ہے۔ سترہ سال ایک طویل سفر ہے جو محض خداوند قدوس کے بے پایاں لطف و کرم سے طے ہوا اس کے آغاز سفر میں نہ وسائل تھے نہ اسباب۔ راقم الحروف جیسا علم و فکر کی ہر صلاحیت سے محروم اور عمل و سعی کی ہر پونجی سے تہی دامن ایک بے بضاعت انسان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ الحق کی شکل میں فروغ حق کا یہ بے سرو سامان راہرو اپنا سفر اتنا عرصہ جاری رکھ سکے گا۔ کہ کسی بضاعۃ مزجاۃ سے بھی توشہ دان خالی اور علم و عمل کی ہر قوت مفقود تھی۔ مگر اس کارساز کریم کے قربان جایئے کہ دین کے کاموں کا وہی محافظ، اسباب خیر کا وہی موفق۔ مہمات امور کے لئے وہی کافی اور وافی ہے ہر لحظہ اس کی دستگیری، ہر دم اسی کی رہبری اور اعانت کے بغیر زندگی کا کوئی شمّہ بھی قائم اور باقی نہیں رہ سکتا تو "الحق" کا یہ قندیل باطل کے طوفانوں، الحاد کے منجدھاروں اور ظلم و عدوان کے تھپیڑوں میں کیسے روشن رہ سکتا تھا۔ پس حمد و سپاس اور شکر و ثنا کا سزاوار بھی اس کٹھن سفر اور توفیق خیر پر اگر ہے تو وہی ذات یکتا احد و صمد لم یلد و لم یولد ہے کہ اس کے روشن چہرے سے ساری کائنات جگمگا رہی ہے۔ اس کی نظر کرم سے یہ سارا ہنگامہ ہاؤ ہو بپا اور اسی کی توجہ سے کائنات ہست و بود کی یہ ساری رونقیں ہیں کہ وہی حی و قیوم ہے اور باقی سب ہیچ و فانی۔ اس کی ذات اور کائنات کی جو چیز اس سے وابستہ ہے صرف وہی حق ہے۔ باقی سب باطل، فانی اور زوال پذیر ہے

الا کل شیئٍ ما خلا اللہ باطل

وکل نعیم لا محالۃ زائل

پس ساری ستائشوں اور نعمتوں کا حقدار بھی وہی اور صرف وہی ہے

لک الحمد والنعماء والفضل ربنا

فلا شیئ اعلیٰ منک حمداً ولا مجداً

عبد کا کام یہی ہے کہ اپنے عمل کا ہر قدم، زبان کی ہر حرکت، قلم کی ہر جنبش، دل کی ہر لرزش اور دماغ کی ہر کی ہر انگڑائی صرف اور صرف اسی کے لئے مخصوص کر دے۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ یہ کامل اور مکمل غلاموں (ابراہیم و محمد علیہم الصلوٰۃ والتسلیم) کا شیوۂ حیات رہا ہے اور ملت ابراہیمی کے سارے نام لیواؤں کا شعار ہے۔ تو یہی کہ۔ انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین۔

الحق اور اس کے خدام نے جو بھی راہ اختیار کی خواہ اسے عام روش سے ہٹ کر سمجھا گیا اور حالات اور ماحول نے اس سے ہمنوائی نہ بھی کی۔ مگر وہ علیم بذات الصدور گواہ ہے کہ اس بارہ میں یہی مذکورہ شعار ابراہیمی اور اسوۂ محمدی پیش نظر رہا۔ انسان خطاکار اور لغزشوں کا مجموعہ ہے۔ غلطیوں سے بچنا مشکل مگر کوشش اور سعی یہی رہی ہے کہ الحق کی ہر دعوت پر پالیسی اور ہر تحریک کا اساس رضائے الٰہی، غلبۂ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ رہے۔ اگر نادانستہ اس راہ میں ٹھوکر لگی ہو تو خدائے علیم و بصیر سے صد ہزار بار عفو و صفح کے طلب گار اور آئندہ کے لئے توفیق رشد و ہدایت کے خواستگار ہیں کہ

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ کہ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

قادیانیت کے استیصال اور تعاقب میں ہمارے اکابر علماء امت اور اہل حق کی ایک صدی کی شبانہ روز جدوجہد کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ سعی الحمد للہ کہ سعی مشکور بن رہی ہے۔ عظیم قربانیوں سے پاکستانی ملت مسلمہ نے انہیں حکومتی سطح پر اقلیت قرار دیا۔ اب ان قربانیوں کی گونج سے سارا عالم گونج رہا ہے۔ برصغیر ہند و پاک کے بعد براعظم افریقہ کی ایک عدالت نے بھی قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کے فیصلہ پر اپنا مہر ثبت کر دیا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ فیصلہ دینے والا جج بھی کوئی مسلمان نہیں بلکہ ایک عیسائی اور بھی عورت۔ کہ عیسائی عورت کے ہاتھوں ذلت کی ایک انمٹ مہر بھی لگا دی جائے۔ یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ اس سارے مقدمہ میں قادیانیوں کا دفاع کرنے والے اور زور شور سے بچاؤ کرنے والے بھی تھے۔ اگر تو جنوبی افریقہ کی یہودی لابی جو اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اپنی طرح قادیانیوں کو بھی ضُربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ۔ کے انجام سے نہ بچا سکی۔

قادیانیت اور اسرائیل ایک ہی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں۔ ایک ہی جڑ ہے اور دوسرا اس کا کڑوا پھل۔ جن وکلاء اور علماء حضرات اور جن جماعتوں نے جنوبی افریقہ کے اس مقدمہ کی تگ و دو کی ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں ——— اور ——— اب ایک تازہ تازیانۂ ذلت و ادبار مسلمان ملک ملائیشیا کے ہاتھوں سے اس دجالی فرقہ پر ——— خبر بلا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:۔

ملائیشیا میں بھی قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا گیا ہے۔ اور نائب وزیر اعظم وانگ موسیٰ تام نے متنبہ کیا ہے کہ جو لوگ قادیانی فرقہ کے کسی بھی گروہ سے اپنا تعلق قائم کریں گے ان کی ملائیشیا کی شہریت ختم کر دی جائے گی۔ نیو اسٹریٹس ٹائمز نے اپنے سنڈے ایڈیشن میں اس کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ملائیشیا میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور سرگرمیوں

پر مسلمانوں نے تشویش کا اظہار کیا ہے اور علماء نے متفقہ طور پر اپنے فتووں میں قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا ہے ۔ نائب وزیر اعظم داتک موسیٰ ہتام نے گذشتہ روز کوالالمپور سے ۲۵ میل دور ایک جامع مسجد کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قادیانی فرقہ ملک بھر میں سرطان کی طرح پھیلتا جا رہا ہے اور حکومت اس کے سدباب کے لئے ضروری اقدامات کر رہی ہے ۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ ملائیشیا کے وفاقی آئین میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جو شخص مسلمان نہیں اسے ملائیشیا کی مسلم شہریت (ملائے) کہلانے کا حق حاصل نہیں ہے ۔ اور اسے مسلمانوں جیسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دی جائے گی ۔ واضح رہے کہ ملائیشیا میں ۶۰ فیصد ملائے ۳۰ فیصد چینی اور ۱۰ فیصد بھارتی باشندے آباد ہیں ۔ داتک موسیٰ ہتام نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ قادیانیوں نے دیگر ممالک کی طرح ملائیشیا میں بھی اپریشن شروع کر دیا ہے ۔ اور روز بروز ان کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جس کا تدارک ضروری ہے انہوں نے کہا کہ ملائیشیا میں روحانیت اور مادہ پرستی کی بنیادوں پر بعض خفیہ اور پراسرار تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں اسی خطرے کے پیش نظر مذہبی طبقوں کا ایک مشترکہ اجلاس بلا رہا ہوں جس میں مسلمان ، عیسائی ، ہندو ، بدھ مت اور دیگر مذاہب کے اسکالر حصہ لیں گے ۔ اس سے اسلامی نظریات کو مسخ کرنے کی مذموم سازشوں پر قابو پانے میں مدد ملے گی ۔"

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل

سمیع الحق

★ ہماری کوششوں کے باوجود کتابت و طباعت وغیرہ کی دشواریوں کی وجہ سے ماہنامہ الحق کی اشاعت میں عرصہ سے تاخیر ہوتی چلی آ رہی ہے ۔ جب کہ کچھ تاخیر اہم اور مفید مواد کی فراہمی کی وجہ سے ناگزیر بھی ہوتی ہے ۔ تاہم ہماری ہر ممکن سعی ہے کہ اس تاخیر کو (جو الحق کے معزز قارئین کے لئے بجا طور پر سوہان روح ہوتی ہے) ختم کر دیا جائے ۔ قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے ۔ یہ بھی خیال رہے کہ الحق اب اسلامی مہینوں کے حساب سے چھپ رہا ہے اس لئے قارئین کرام اسلامی حساب سے مہینوں کو ملحوظ رکھا کریں ۔ اس لحاظ سے تاخیر بہت کم ہوتی جا رہی ہے ۔ بارہا گذارش کے باوجود بہت سے حضرات خط و کتابت ، منی آرڈر وغیرہ میں خریداری نمبر نہیں لکھتے ۔ جس کی وجہ سے تعمیل حکم میں دقت ہو جاتی ہے ۔ ازراہ کرم خریداری نمبر لازماً لکھا کریں ۔

★ ترسیل رسالہ شکایات اور حساب کتاب سے متعلق امور پر جناب مدیر الحق بوجہ عدیم الفرصتی توجہ نہیں دے سکتے ۔ اس لئے انتظامی امور سے متعلق خط و کتابت منیجر الحق کے نام کی جائے ۔

" ناظم الحق "

جناب محمد اسد شہاب صاحب - جدّہ - سعودی عرب
مترجمہ - مولوی عمیر الصدیق دریابادی - ندوی

روسی استشراق

جب استشراق اور مستشرق کے الفاظ کو مطلقاً بولا جاتا ہے تو ذہن مغربی یورپ اور امریکہ کے مستشرقین کی جانب منتقل ہوجاتا ہے۔ حالاں کہ استشراق پر کسی قوم یا حکومت کی اجارہ داری نہیں ہے۔ مشرقی یورپ کی کمیونسٹ حکومتوں اور روس کا بھی اس میں نمایاں حصہ ہے۔ یہاں کے لوگوں نے اسلامی امور و مسائل کی جانب جس قدر اعتنا کیا ہے، وہ کسی طرح مغربی یورپ اور امریکہ کے مستشرقین سے کم نہیں ہے۔

بہت سے عرب اور مسلمان مصنفین نے یورپی استشراق و مستشرقین کے بارہ میں کتابیں لکھی ہیں مگر روس یا مشرقی یورپ کے استشراق اور مستشرقین کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے اس مضمون میں روسی استشراق کی ابتدا اور نشو ونما کا ذکر کیا جائے گا۔

استشراق کا دائرۂ کار اور طریقۂ عمل جدا جدا ہوتا ہے، مگر اس کا خاص رخ اور مطمح نظر مخصوص مصالح ومقاصد پر مبنی ہوتا ہے اس لئے اس کا معاملہ کبھی انفرادی اور کبھی اجتماعی ہوتا ہے۔ نیز کبھی وہ کسی حکومت کے زیر سایہ اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لئے مخصوص بجٹ بنایا جاتا ہے اور وہ کبھی اپنی حکومت کی ملکی وسیاسی مصلحتوں سے بے تعلق نہیں رہتا۔

پہلے زار روس اور اب کمیونسٹ روس کی وسط ایشیا میں کتنی نوآبادیاں ہیں جیسے ازبکستان، تاجکستان، قزاقستان، ترکمنستان اور کرمینستان وغیرہ۔ یہ سب مسلم ریاستیں ہیں۔ جن کی مجموعی آبادی ایک سو بیس ملین سے کم نہ ہوگی۔ یہ تمام ریاستیں معدنی ذخائر، پٹرول اور زرعی پیداوار سے مالا مال ہیں۔ موجودہ روسی سامراج کی اہمیت ان ہی زرخیز ریاستوں سے وابستہ ہے۔ اگر یہ اس کے قبضہ سے نکل جائیں تو پھر روس کا کوئی وزن باقی نہیں رہ جائے گا۔

روس ایک سامراجی حکومت کی طرح ان ریاستوں پر حکومت کر رہا ہے اس نے اپنی داخلی وخارجی

سیاست کے استحکام کے لئے ان ریاستوں کو زیادہ اہمیت دینے کی پالیسی وضع کی ہے۔ اس لئے وہ ان ریاستوں کے مسلمانوں کی جانب خاص مبذول کئے ہوئے ہے۔ اور ان کے عقائد و افکار، تہذیب و ثقافت اور جذبات و میلانات کا بھی برابر مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ تاکہ اس کی استعمار پر مبنی سیاست بھی مضبوط و مستحکم رہے اور کسی بیرونی یا اندرونی مسلم مداخلت کا اندیشہ نہ رہے۔

روسی استشراق میں سیاسی مصالح کے تحت تغیر و تبدل بھی ہوتا رہتا ہے تاکہ وہ اپنی ان وسیع و عریض اور شاداب و زرخیز نوآبادیوں سے بیش از بیش فائدہ اٹھاتا رہے۔ دراصل روس استشراق کے معاملہ میں وہی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے جس پر ہالینڈ گامزن رہ چکا ہے۔ اس بنا پر وہ اپنی تحقیق و مطالعہ اور علمی اداروں کو ایسے ناموں سے موسوم کرتا ہے۔ جس سے اس کے اصل مقاصد پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ اور کہیں سے یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ ان علمی و تحقیقی کاموں کے پس پشت کچھ دوسرے اغراض بھی ہیں۔ ہالینڈ نے تو استشراق کا لفظ بھی باقی نہ رکھا اور اس کے بجائے "اسلامی امور کی کونسل کا دفتر" نام رکھ کر اپنی استشراقی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ناموں کے انتخاب میں روس نے بھی اسی اصول کو اپنایا۔ اس کے مختلف اداروں کے کچھ نام ملاحظہ ہوں۔

۱۔ معہد فنون شرقیہ (انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل آرٹس) ۲۔ مکتب شئون اسلامیہ (آفس آف اسلامک افیرز)۔ ۳۔ دار الافتاء۔ ۴۔ مشرقی علوم کے ادارے۔ ۵۔ جمعیۃ اتحاد العلوم۔ ۶۔ روس عرب فرینڈ شپ سوسائٹی ۷۔ معہد الدراسات العلیا للشئون الاسلامیۃ (انسٹی ٹیوٹ آف ہائر اسٹڈیز فار اسلامک افیرز) ۸۔ ادارہ دینیہ برائے امور اسلامی امور کے ماہرین اپنے کارنامے انجام دینے میں مصروف ہیں۔

۱۸۵۲ء میں زار روس نے روسی مستشرقین اور عربی زبان کے ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل کی جس کے بیشتر ارکان یہودی تھے۔ اس کمیٹی کا بنیادی اور اولین مقصد ان ضروری و لازمی وسائل کی فراہمی تھا جن کے ذریعہ بیت المقدس کو آزاد کرایا جائے اور فلسطین میں یہودی مہاجرین کو آباد کرا کے روسی وفد کے زیر انتظام ان کے مریضوں کے لئے شفاخانے قائم کئے جائیں۔ روسی نمائندوں نے بیت المقدس کو اپنا مرکز یہ کہہ کر بنایا کہ وہ وہاں روسی گرجا گھروں کی دیکھ بھال کریں گے۔ کیونکہ وہاں ایسے مسیحی بھی تھے جو روسی آرتھوڈکس مسلک کے پیرو تھے۔ نیز ان کے زیر نگرانی مختلف انسٹی ٹیوشن تھے

۱۸۶۴ء میں روس نے اس کمیٹی کے ممبروں کا ایک وفد خفیہ طور پر فلسطین بھیجا تاکہ یہ لوگ وہاں کے یتیم خانوں، دوا خانوں اور ان یہودی زائرین کی رہائش گاہوں کا جائزہ لیں جو دیوار گریہ کی زیارت کے لئے پوری دنیا سے وہاں آتے ہیں۔

۱۸۸۲ء میں یہ کمیٹی ایک خود مختار سوسائٹی میں تبدیل ہو گئی۔ اس کا ایک بنیادی ضابطہ اصول بھی مرتب

مرتب ہوا، اس طرح ارتقاء کا ایک مرحلہ طے ہوا۔ یہ تبدیلی محض نام کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ اب دائرۂ کار بھی وسیع تر ہوا۔ اور ایک معینہ مدت میں اس سوسائٹی نے فلسطین اور بعض دوسرے عربی ممالک میں سو سے زیادہ سکول قائم کر لیے۔ ان کے دروازے گو سب نوواردوں کے لیے کھلے تھے۔ لیکن اکثریت یہودیوں ہی کی تھی۔ ان اسکولوں کے نام قومی و وطنی ناموں پر تھے۔ ان میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد اس وقت دس ہزار سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔

۱۸۸۳ء میں اس سوسائٹی نے سوسائٹی آف اسلامک اسٹڈیز کی حیثیت اختیار کر لی اور اپنا تعلق ماسکو یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات (اسلامک اسٹڈیز) سے قائم کر لیا۔ سوسائٹی نے اس مقصد کے لیے ایک خاص علمی باڈی کی تشکیل کی۔ جس میں اسلامی تحقیق و مطالعہ سے شغف رکھنے اور عربی و اسلامی تاریخ وادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو شامل کیا گیا۔

۱۹۸۱ء میں اس سوسائٹی نے ارکیولوجک مشن (لجنۃ اثریہ) کے نام سے عرب ملکوں کی زیارت کے لئے ایک وفد بھیجا تاکہ فلسطین میں قیام کرکے وہاں کے آثار قدیمہ کا جائزہ لے۔

اس وفد نے دمشق، بیروت، حمص، حلب، حماۃ، مشرقی طرابلس، بیت المقدس اور خلیل کا دورہ کیا اور ایک لمبی مدت تک بیت المقدس میں ان آثار علمیہ کی تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہا۔ جن کا تعلق یہودیوں سے تھا۔ یہ یہودیوں کے قومی وطن کو منصۂ شہود پر لانے اور اسے تاریخی دلائل پر ثابت کرنے کی تمہید تھی۔ وفد اس موضوع پر اپنی مکمل رپورٹ اور دستاویزات کے ساتھ ماسکو واپس آیا اور آنے کے ساتھ ہی اس نے اسلامیات کے فضلاء و ماہرین کا ایک اجتماع کیا۔ اس میں روسی مستشرقین کی ایک سوسائٹی کی تجویز منظور کی گئی۔ اس سوسائٹی کو روس کی اکاڈمی آف سائنسز کا تعاون بھی حاصل ہوا۔ اس سوسائٹی میں مندرجہ ذیل روسی مستشرق شریک ہوئے۔

۱۔ این الیف بیلیفونسکا ۲۔ الیف۔ الیس سیکوروف ۳۔ جے کراسکونسکی ۴۔ اے این بوتشیف اور الیس پی ٹالسٹوف۔ آخر الذکر دونوں حضرات اکاڈمی آف سائنسز کے بھی ممبر تھے۔

روسی مستشرقین کی یہ پہلی سوسائٹی تھی جو سرکاری طور پر اکاڈمی آف سائنسز کے تابع تھی۔ اس سوسائٹی کا پہلا خاص مقصد عرب ممالک اور عرب قوم سے متعلق ہر چیز کا مطالعہ تھا۔ اس کے بعد پھر مسلمانوں کا دینی، معاشرتی، ثقافتی، تاریخی اور اقتصادی جائزہ لینا تھا۔

اکاڈمی آف سائنسز کے اہم فرائض میں یہ بھی تھا کہ وہ علوم اسلامیہ کے خصوصی ماہرین کو تیار کرے تاکہ وہ آئندہ روسی مستشرقین کی سوسائٹی میں داخل ہو سکیں اور ان کے اغراض و مقاصد میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں۔

ان امور و مسائل پر روس نے مختلف اسباب و عوامل کی بنا پر اس قدر اہمیت دی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ روس اور استنبول کی خلافت اسلامیہ کے درمیان پشتینی عداوت اور دیرینہ آویزش جس کی وجہ سے ترکی

و روس میں مسلسل جنگ بپا تھی۔

۲۔ روس کی اپنی مقبوضہ مسلم ریاستوں کی جانب سے بغاوت کا خطرہ۔

۳۔ روس کے توسیع پسندانہ عزائم جس نے اسے پڑوس کے دولت مند علاقوں کا حریص بنا دیا تھا۔ اور وہ بحر ابیض متوسط، خلیج عرب اور بحر عرب تک پہنچ جانے اور عالمی بحری گذرگاہوں پر قابو پانے کی فکر میں لگ گیا تھا۔

۴۔ وسط ایشیا میں مسلمانوں کو دبائے رکھنا تاکہ وہ بغاوت نہ کر بیٹھیں۔

۵۔ روسی سیاست کی طرف عالم اسلام کو متوجہ کر کے اس کے لئے ہمدردی اور تائید حاصل کرنا۔

ان اغراض کے پیش نظر روس نے عرب اور مسلمانوں سے متعلق ایک ایک چیز کی جانب اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ یہ سوسائٹی ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی تھی اس لئے اس نے ۱۹۷۲ء میں اپنے قیام کے نوے برس گذر جانے کا جشن منایا۔

یہ جشن انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے مرکز میں یکم مئی کو منایا گیا۔ یکم مئی کو روسی مزدوروں کی عید کے دن کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موقع پر مستشرق ایس۔ ایل تیخفسکی نے جو سوسائٹی کے صدر بھی تھے۔ ایک جامع رپورٹ پیش کی۔ جس میں اس سوسائٹی کی نوے سالہ کارکردگی کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں جو چیز نہایت اہم ہے وہ اس بات کا اقرار ہے کہ اس سوسائٹی نے فلسطین میں یہودیوں کی تاریخی آثار کی حفاظت اور مرمت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ سوویٹ روس نے روسی مفاد کے پیش نظر معاشی ترقی میں عربوں کے ساتھ قربت اور ہم آہنگی میں جو پیش رفت کی اس میں اس سوسائٹی کے کردار کو بھی اہمیت حاصل رہی۔ اس تقریب میں مستشرق کے بی اسٹارکوفا نے عالم اسلام کو اپنا موضوع بنایا۔ مستشرق ایم اے کورسٹو فنتسیف نے مصر میں قدیم فرعونی مذاہب اور تہذیب و زیور سے ان کا تعلق، کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔ مستشرق ایل۔ وائی ناری رادزی نے عرب و روس تعلقات تاریخ اور واقعات کی روشنی میں، کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

یہ سوسائٹی مختلف اوقات میں سیمیناروں، کانفرنسوں اور کانگریسوں کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔ ان موقعوں پر پڑھے جانے والے تمام مقالات کی طباعت و اشاعت کا انتظام بھی اسی سوسائٹی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

چند روسی مستشرقین کے نام اور عہدے: ۱۔ بوبوجان غوروف، ہیڈ آف دی انسٹیٹیوٹ ماسکو۔ ۲۔ بوغولوف، ماہر فقہ اسلامی۔ ۳۔ یو۔ بی۔ کایا، ماہر ادب عربی۔ ۴۔ کریز بیفنج، ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف لینن گراڈ۔ اور ماہر ادب عربی و تاریخ اسلامی۔ ۵۔ خالیدوف، ماہر ادب عربی۔ ۶۔ غرونفسٹ، ماہر بلاغت و نحو۔ ۷۔ میخائیلوف ماہر ادب عربی۔ ۸۔ بیوتوفسکی، ماہر تاریخ یمن۔ ۹۔ یوشاکوف، ماہر سیاست و معاشیات ۱۰۔ سفینلافا، ماہر ادب عربی و مذاہب۔ ۱۱۔ برودروف، ماہر ادب عربی، مذاہب اسلامیہ و سیاسی تحریکات ۱۲۔ شوموسکی، ماہر جغرافیہ و علم البحار۔ ۱۳۔ بکلیموفش ماہر فقہ و تاریخ اسلامی۔ ۱۴۔ نشانوف، ماہر فقہ اسلامی —

۱۵- کلیمو فیننش، سوسائٹی کے ترجمان کے مدیر اعلیٰ۔ ۱۶- بیلیابیف، اسی ترجمان کے علمی مدیر۔ ۱۷- اسلی نیفیا۔ ۱۸- پاروسکایا
۱۹- تالیری ٹارسیس، ادیب و نقاد۔ ۲۰- ایلکنہ تدرسٹین وولپن، فلسفی اور شاعر۔ ۲۱- یوری بشینن۔ ۲۲- یوری غلاسوف، عربی زبان کے ادیب و انشا پرداز۔ ۲۳- یوری اسوف۔ ۲۴- فلادیمیر میکسی موف، عربی زبان کے انشا پرداز۔ ۲۵- غمازیو سیلوف۔ ۲۶- الیلنیا عروس۔ ۲۷- علیا انکاریو فیغوریلی۔ ۲۸- ینخفنسکی صدر سوسائٹی۔ ۲۹- کوروسیفتسیف، ماہر تاریخ عربی۔ ۳۰- نادرادیزی، علوم و تاریخ اسلامی کے پروفیسر۔ ۳۱- سافاروف۔ ۳۲- اسارکووا۔ ۳۳- میخائیل بیڈروف۔ ۳۴- گریگوری سرباتوف۔

یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مستشرق میخائیل بیڈروف جو ایک یہودی الاصل اور صیہونی العقیدہ مستشرق ہیں، اصل میں کون ہیں؟ یہ دوسری جنگ عظیم میں روسی فوج کے ایک کیپٹن تھے۔ بعد میں یہ چیکوسلواکیہ میں فوج میں تربیت دینے چلے گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد روس نے ان کو ایک عرب ملک میں اپنا سفیر مقرر کیا۔ یہ انتہائی متعصب صیہونی مستشرق ہیں۔ روس سے یہودیوں کو فلسطین کی جانب منتقل کرنے کے پیچھے اصل دماغ انہی کا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے "ارقون زوای لومی" نامی ایک جماعت قائم کی جو بعد میں اسرائیلی فوج کا ایک حصہ بنی۔

ادارۂ اقوام ایشیا اس ادارہ کا مقصد بھی وہی ہے جو سوسائٹی کا ہے۔ البتہ یہ ادارہ ان تمام مقالات کو جو مستشرقین روس کا حاصل مطالعہ اور نتیجہ تحقیق ہوتے ہیں، جانچنے اور پرکھنے کے بعد کمیونسٹ پارٹی کی مجلس اعلیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور انہی مقالات کی روشنی میں عرب اور اسلامی ممالک کے بارے میں روس کی خارجہ پالیسی اپنا طریقہ کار اختیار کرتی ہے۔ اس ادارہ کو نامور روسی مستشرقین کے تحت رکھا جاتا ہے۔ مثلاً افنی بلیلیف، فلاڈیمیر لوٹسکی، گریگوری سرباتوف، بورس دانیتنغ، فلاڈیمیر تس بیولسکی۔ فرونیکا فورونٹیسا۔ اس ادارہ نے عرب ممالک سے متعلق چند کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ مثلاً سوریا و لبنان (۶۴ء) جزیرۂ عرب و خلیج (۶۵ء) عراق ۶۶ء، مصر ۶۷ء۔ ان کتابوں میں مذہبی رجحانات، فقہی مسالک، عام عقائد، مذہبی اختلافات، لوگوں پر ان کے اثرات، حکومت اور سیاسی تعلقات پر ان مذہبی اختلافات کا اثر، حکومتوں کی خوبیاں اور خامیاں وغیرہ مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ اسلامی حکومتوں کے کمزور پہلوؤں پر روس اپنی سیاست کو مرکوز کر دیتا ہے۔ مذہبی اختلافات کے پردہ میں روس کا یہ طرز عمل رہا ہے کہ وہ مذہبی جذبات اور دینی احساسات کو برانگیختہ کرنے والے پروگرام اس طرح مرتب کرتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی آگ شدید ہو۔ یہ سب اس خوش اسلوبی سے انجام دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی خبر تک نہیں ہو پاتی۔ باہمی اختلافات اور دشمنی بڑھنے کی وجہ سے روس کے لئے یہ آسان ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے حلقوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائے اور بزعم خود نئے انقلاب پسند طبقہ "رجعت پسندوں کے مخالف افکار کو ان حلقوں کے فکر و عمل کی زینت بنائے۔

لینن گراڈ کا کتب خانہ روس میں جتنے کتب خانے ہیں وہ سب استشراقی سوسائٹی سے تعاون کرتے ہیں۔ مشہور کتب خانوں میں لینن گراڈ کا کتب خانہ ہے۔ یہ اسلامیات کے بارہ ہزار مخطوطات پر مشتمل ہے۔ خوش قسمتی سے یہ کتب خانہ کمیونسٹوں کے قبضہ کے وقت ان کے دست برد سے محفوظ رہا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب بربادی کے بعد اتنی بڑی تعداد محفوظ رہی تو وہ کس قدر نایاب اور وافر ذخیرہ کتب رہا ہوگا جسے سپرد آتش کردیا گیا۔ مخطوطات کے علاوہ مطبوعات کی بھی ایک بڑی تعداد اس کتب خانہ میں ہے۔ جن میں عالم اسلام اور غیر عالم اسلام میں ہر زبان میں چھپنے والی کتابیں شامل ہیں، روسی قوم کو ان کتابوں کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہے لیکن مستشرقین کو ان کتابوں سے مراجعت اور استفادہ کا حق حاصل ہے۔

مستشرق گریگوری سرباٹوف کے بیان کے مطابق تاشقند کے کتب خانہ میں اس وقت اسی ہزار اسلامی کتابیں ہیں جن میں مخطوطات اور مطبوعات دونوں شامل ہیں۔ یہ کتابیں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں ہیں۔ صرف عربی کتابوں کی تعداد پندرہ ہزار سے کم نہیں۔ روسی مستشرقین کی محنت اور اسلامیات سے ان کے گہرے شغف کے نتیجہ میں سوسائٹی کی ازبکستان شاخ نے کئی اسلامی کتابوں کو ۵۴ء سے ۶۱ء تک روسی زبانوں میں منتقل کیا اور یہ عمل اب بھی جاری ہے۔

مسلمانوں کے بارے میں روس کی پالیسی دوہری ہے۔ اندرون ملک مقبوضہ مسلم ریاستوں کے بارہ میں اس کا طرز عمل اس طرز عمل سے قطعی مختلف ہے۔ جو وہ دوسرے ممالک کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ اپنی مقبوضہ مسلم ریاستوں میں وہ تشدد اور بیخ کنی کا رویہ اپناتا ہے۔ لیکن ان اسلامی ممالک میں جہاں اس کا نفوذ اور غلبہ نہیں۔ وہ حکومت وقت کے خلاف ہر تحریک کی تائید کرتا ہے۔ تخریبی کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے وہ ان تحریکوں کو مادی فلسفہ سے نہ صرف روشناس کراتا ہے بلکہ گرویدہ بھی بنا دیتا ہے۔ مذہبی اختلافی مسائل کو نمایاں کرکے وہ نئی نسل کو جو ان اختلافات کی سطحیت سے تنگ آچکی ہوتی ہے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوجاتا ہے کہ اس قوم کے پرانے نظریات، قومی و وطنی مصلحتوں کے لئے ضرر رساں ہیں۔ اسلامی نظریات کو جامد اور بے جان ثابت کرنے کی کوشش کے بعد بسعد نئی نسل کے سامنے اشتراکیت اور سعادت کی ضامن قومیت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔

سوویت روس کی پالیسی آماج گاہیں ایشیا اور افریقہ دونوں جگہ ہیں۔ روس کو یقین ہے کہ اپنے سارے امکانات اور وسائل کے ساتھ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔ ان سارے منصوبوں کی بنیاد دراصل انہی جائزوں پر ہوتی ہے جن کو روسی مستشرق پیش کرتے ہیں۔

خوبصورت اور شہد آگیں ناموں کے لیبل کے ساتھ سوسائٹی اپنے ان کاموں کو پیش کرتی ہے مثلاً کلمۃ البحث العلمی، الدراسات التطبیقیہ وغیرہ علمی تحقیقات اور معروضی مطالعات کے یہ

بس محض فریب کے لئے ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ اسلامی قوموں کے لئے زہریلے اور خطرناک مواد سے پُر ہوتے ہیں مثلاً مستشرق کلیموویچ کی کتاب جس کا نام الاسلام نشوہ و مستقبلہ ہے اس میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں
"قرآن کی وہ رائیں جو کائنات، زمین اور انسان کے بارہ میں ہیں بالکل ابتدائی ہیں۔ اور سائنس کے منافی ہیں"۔
اس قسم کے بے بنیاد دعووں سے لبریز ان تحقیقات میں صرف الفاظ کی کھتونی ہوتی ہے۔ علمی متانت سے بے نیاز، استہزا، تحقیر، آسمانی مذاہب پر بہتان اور عیب جوئی اور خردہ گیری کی کثرت ہوتی ہے اور اسلامی شخصیتوں کے لئے صرف حقارت آمیز الفاظ ہوتے ہیں۔

روس کی اکاڈمی آف سائنس نے مشرقی ادب کے مطالعہ میں تخصیص کے لئے بھی ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اس ادارہ میں مشرق کے قصوں، کہانیوں، افسانوں، دیومالائی واقعات، قومی روایات اور فنون لطیفہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس ادارہ کے ذمہ دار یہی مستشرق ہوتے ہیں۔ یہ ادارہ روسی مستشرقین کی تالیفات کو روسی مفاد کے مطابق ترکی، عربی، فارسی، ہندی، اردو اور چینی اور دوسری زبانوں میں شائع کرتا ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص ملک کے حالات کے مطابق صرف اسی ملک کی زبان میں وہ کتاب شائع کی جاتی ہے۔ دوسری زبانیں اس کتاب کی قدر و قیمت سے محروم رکھی جاتی ہے۔ کلیموویچ کی کتاب جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اسی ادارہ نے شائع کی ہے۔

روسی استشراق کی سیاست منزل بہ منزل

روسی استشراق نے اپنے محدود منصوبوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور مختلف سیمیناروں، کانفرنسوں کے ذریعہ انہوں نے اپنی اشاعت کے نئے طریقے اپنائے۔ یہ سیمینار وغیرہ وسط ایشیا کے شہروں میں خاص طور سے منعقد کرائے گئے کہ وہاں اسلام کا نام اب بھی باقی ہے۔

صدی کی ستروین دہائی میں ماسکو میں ایک عالمی مذاہب کانفرنس ہوئی جس میں تمام مذاہب کی ممتاز شخصیتوں کو مدعو کیا گیا۔ مقصد یہی تھا کہ دنیا کے سامنے جو یہ کہتے ہیں کہ روس آسمانی مذاہب سے برسرپیکار ہے، یہ ثابت کیا جائے کہ روس مذاہب سے جنگ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ آسمانی مذہبوں کی حمایت کرتا ہے جس کی دلیل یہ کانفرنس ہے اس کانفرنس کے بعد تاشقند میں ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۷۲ء میں ازبکستان میں مشہور مسلمان فلسفی فارابی کی یاد میں ایک بڑا جشن منایا گیا۔ ایک جشن ابن سینا کی یاد میں بھی منایا گیا۔

قزاقستان میں وسط ایشیا کے مسلمانوں کے دینی ادارہ کی تاسیس کے تیس سال گذر جانے پر ایک جشن کا اہتمام کیا گیا۔ امام بخاریؒ کی یاد میں بھی محفل جشن منعقد ہوئی۔ ان تمام جلسوں۔ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں روس کی دعوت پر عالم اسلام کی ممتاز شخصیتیں شریک ہوتی رہیں۔ سوسائٹی کی ہدایات پر عمل پیرا روس نے بعض مسلمانوں کا اعتماد بھی حاصل کر لیا تھا کہ اسلام کمیونسٹ نظام حکومت کے سایۂ عاطفت میں خیر و عافیت سے ہے اور یہ کہ

مسلمان روس میں آزاد و خود مختار ہیں۔ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شریک ہونے والے مندوبوں سے بھی اس کی شہادت دلائی گئی۔ روس ان موقعوں پر یہ بھی اعلان کرتا رہا کہ وہ اسلامی آثار و باقیات کی نگہبانی و حفاظت کر کے روس میں اسلام کا نام زندہ کئے ہوئے ہے۔ نیز وہ مساجد و مقابر کی مرمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا چنانچہ امام بخاریؒ و امام ترمذی کی دیکھ بھال بھی اس نے کرائی ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ "سائنس اور مذہب" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اسے روسی مستشرقین کی اکثریت کا قلمی تعاون حاصل ہے۔ اس رسالہ کے پہلے شمارہ میں اس اسلامی انسٹی ٹیوٹ کے دستور و اغراض و مقاصد یہ تحریر کئے گئے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کے درمیان سے روحانی معنویت کو کمزور کرنا ان کو ان کے عقائد سے دور کرنا اور ایسے افکار و نظریات کو نشوونما دینا جو ان کے دین میں شک و شبہ پیدا کردیں۔

۲۔ مسلمانوں میں دل کش مادی چیزوں کو خوبصورت اور جاذب اسلوب میں پیش کر کے فساد پیدا کرنا اور ایسی صورت حال پیدا کر دینا کہ وہ اشتراکیت کے حلقہ بگوش ہونے کے لئے خود بخود آمادہ ہو جائیں۔ ان دونوں مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے جو اسباب و وسائل اختیار کئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

اسلامی تعلیمات و نظریات کو قدیم، فرسودہ اور بوسیدہ ثابت کیا جائے۔ اور اس طرح یہ ظاہر کیا جائے کہ سائنس کے دور میں ان نظریات کا زمانہ کے قدم بہ قدم چلنا ممکن نہ رہا۔ اشتراکی نظریہ اور اس کے مادی فلسفہ کی تائید میں خود مسلمان علماء و زعماء کے اقوال پیش کئے جائیں کہ تنہا یہی فلسفہ انسان کی خوشحالی کا ضامن ہے اور ان مذہبی اختلافات سے بچاتا ہے جو انسانیت کے لئے مضر اور مسلمانوں کو پسماندگی کی جانب لے جانے والے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے تہذیبی ورثہ کا احیا اس طرح کیا جائے کہ اس تہذیب پر فخر کیا جا سکے اور ہر اس شخص کی تائید کی جائے جو اسلام سے پہلے کے تہذیبی ورثہ کے احیاء کا کام کرتا ہو ایسے مصنفین کی کتابیں خرید کر انہیں تقسیم کے لئے دوسری جگہوں میں بھیج دیا جائے۔

ان مقاصد اور ان وسائل کے ذریعہ مسلمانوں کی نئی نسلوں پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی یہ روسی کوششیں کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ ایک روسی صحافی شارلوٹ سائیکوسی کا بیان ہے کہ سوویت یونین نے سوسائٹی کی تجویز کے مطابق بیرون ملک کے اسلام پر کام کرنے والے غیر مسلم ریسرچ اسکالروں میں مفت تقسیم کرنے کے لئے تو قرآن مجید کے نسخے شائع کئے مگر خود روس کے اندر انہیں تقسیم نہیں کیا گیا۔ استاد یوسف فراج لکھتے ہیں:۔

"اسلام کے بارے میں سوویٹ روس کی پالیسی دو رخی ہے۔ اندرون ملک مکمل دشمنی اور

بیرون ملک وقتی دوستی، مثلاً تاشقند کے ایک اسلامی ادارہ نے ایک عمدہ کتاب شائع کی جو روس میں اسلام کی زندۂ جاوید یادگاروں کی رنگین تصویروں سے مزین تھی۔ یہ کتاب بیرون ملک کے ممتاز مسلمانوں میں تقسیم کی گئی۔ اس میں ایک مسجد اور مشہور مسلمان احمد یاسفی اور باشلیفان محمد کی قبروں کی تصویریں بھی شامل تھیں۔ لیکن روس نے یہ ذکر نہیں کیا۔ کہ یہ دونوں شاندار عمارتیں اب کمیونسٹوں کے لئے بطور ڈاک بنگلا استعمال ہو رہی ہیں۔ روس میں پروپیگنڈہ کے لئے جو لٹریچر شائع کیا جاتا ہے وہ بجز چند استثنائی صورتوں کے اکثر روس میں ناپید ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا ایک نہایت عمدہ ایڈیشن شائع کیا گیا جو غیر ملکوں کے مسلمان فضلاء کے پاس تو بھیجا گیا مگر وہ خود روس میں عنقا ہی رہا (انتصار الاسلام ص ۴۹)

قرآن مجید کا یہ نسخہ باوجود تلاش بسیار کے ماسکو میں نہیں مل سکا، قرآن مجید کی طباعت واشاعت ماسکو کے پروپیگنڈے کا محض ایک جزو تھا۔ قرآن مجید کے بارے میں روسی مستشرقین کے خیالات کا اندازہ اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔

"قرآن اپنی ترکیب کے لحاظ سے ایک پیچیدہ کتاب ہے جس میں عربوں، یہودیوں، عیسائیوں اور زرتشتیوں کے قصے اور دیومالائی کہانیاں بڑی تعداد میں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ حضرت یوسف، یونس اور عیسیٰ مسیح وغیرہم کے قصے ہی اس کتاب کا بڑا جزو ہیں"

وارنوکا یہ ادارہ مطالعات آداب شرقیہ کے شعبہ کے ماتحت ہے۔ یہاں بھی ایشیا کے قصے، کہانیوں، اساطیری روایات اور کلاسیکی ادب پر داد تحقیق دی جاتی ہے۔ اور عربی واسلامی ادب پر بھی خاص طور پر عنایت کی نظر مرکوز کی گئی ہے۔ لینن گراڈ کے مستشرقین اس ادارہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ۶۴ء کے بعد اس ادارہ نے کئی عربی و فارسی کتابوں کو روسی زبان میں منتقل کیا ہے۔ تونس، الجزائر، مصر، عراق بلکہ تمام عرب ممالک اور ہندوستان افغانستان اور ایران کے اہل قلم کی نئی کتابوں کو جن کا تعلق افسانہ، کہانی اور شاعری سے ہو۔ یہ ادارہ روسی زبان میں منتقل کرتا ہے۔ عرب مصنفوں میں احسان عبدالقدوس اور توفیق الحکیم کی کتابیں خاص طور سے روسی زبان میں منتقل ہوئی ہیں۔ ان کتابوں سے روسی مستشرقین اور استشراق نواز طلبہ نے بڑی رغبت کا اظہار کیا ہے یہاں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ محض ان کتابوں کی علمی وفنی قدر و قیمت ہی ان کی مقبولیت کا سبب نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کتابوں کے صفحات کے دریچوں سے جس معاشرہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ افراد کے جو خط و خال سامنے آتے ہیں اور قوموں میں ان قصوں، کہانیوں اور اشعار کا جو ناگزیر اثر ہوتا ہے وہ ان مستشرقین کے لئے خام مواد فراہم کرتا ہے۔ اسی پر روسی مطالعہ اور تجزیہ کا دارومدار ہوتا ہے۔

بیرونی کتابوں کی حوصلہ افزائی یہ ادارہ بیرون ملک کے مصنفین کی ان کتابوں کو بہت اہمیت دیتا ہے جن میں اشتراکیت کی روح جلوہ گر ہو۔ مثال کے طور پر انڈونیشیا کے مارکسی ادیب براموادیا اناننا تور کی کتابیں شائع ہوتے ہی مکتبوں سے چند مہینوں میں غائب ہو جاتی ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں ان کتابوں کی مقبولیت پر مضامین لکھے جاتے ہیں۔ ایک جائزہ کے مطابق یہ معلوم ہوا کہ روسی دائرۂ اثر کے تحت کام کرنے والا ایک ادارہ مکتبوں سے تمام کتابیں خرید لیتا ہے۔ پھر مؤلف و ناشر کے علم کے بغیر جسے مناسب سمجھتا ہے، ان کتابوں کو بطور ہدیہ پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مؤلف کو اپنی کتابوں کی اس قدر مقبولیت پر فخر ہوتا ہے۔ اور ناشر کو مزید ایڈیشن شائع کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اور اس طرح ماسکو کو ادبی و سیاسی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم کی مثالیں دوسری زبانوں کی مطبوعات مثلاً سریانی، کردی، آرمینی، ترکی، عربی وغیرہ میں بھی ملتی ہیں۔

مسلم ممالک کے موجودہ اور مسلسل بحران پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ہر واقعہ اپنے پیش رو واقعہ سے جڑا ہوا ہے۔ اور واقعات کے اس سلسل میں متعلقہ زبانوں کے رسائل اور اخبارات کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے جو قومیت، مقامی تہذیب اور قدیم تمدن کے تازہ خداؤں کی حمد و ثنا کی دعوت دیتے ہیں۔ پاکستان میں بنگالی قومیت اور بنگلہ زبان پر حد سے زیادہ فخر کیا جاتا تھا۔ بالآخر بنگلہ تحریک کے زیر اثر بغاوت پھیلی اور ایک ملک دو نیم ہو گیا۔ عرب دنیا میں ہر عرب ملک اپنے محدود و مختصر خطۂ زمین کے گن گا رہا ہے۔ اور ایک زبان ایک ثقافت اور ایک تمدن ہونے کے باوجود ایک مکمل عربی اکائی کا وجود دشوار نظر آتا ہے۔

جب مسلمانوں میں کوئی رخنہ پیدا ہو یا کسی ترقی پذیر قوم میں کوئی دراڑ پڑ جائے اور یہ رخنے دینی عقائد و مسائل سے متعلق ہوں تو روسی مستشرقین کی نگاہ ان موقعوں کو منتخب کر لیتی ہے اور اپنا اثر دکھانے لگتی ہے۔

۱۹۵۱ء میں روسی مستشرقین کی ایک کانفرنس میں مستشرق سرکوف نے کہا تھا کہ ہماری حکومت کو چاہیے کہ وہ تیسری دنیا یعنی غیر وابستہ ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو زیادہ اہمیت دے۔ ظاہر ہے تیسری دنیا کے اکثر ممالک اسلامی ہی ہیں۔ اور ہوا بھی یہی کہ روس نے اپنی ریشہ دوانیوں کے لئے سازگار ماحول اسی تیسری دنیا کا پایا۔

۱۹۶۹ء کی ایک کانفرنس جنوری ۶۹ء میں اکاڈمی آف سائنس کے زیر اہتمام روسی مستشرقین کی ایک اہم کانفرنس ماسکو میں منعقد ہوئی۔ اس کا موضوع "دینی نفسیات" تھا۔ اس میں عالم نفسیات مستشرق بلاٹونوف نے کہا۔

"تدین (مذہب پرستی) کے نفسیاتی مظاہر میں کسی بھی مظہر کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ فرد کی ذاتیات باہمی کے حتمی نتیجہ کی صورت میں نمو پاتا ہے۔ مذہب کا وجود انسانوں میں خوف کا شعور پرورش کرتا

ہے اور بیکاری یا فرصت واقعیت سے بعید خیالات کی تخلیق کرتی ہے، حالاں کہ خیالات کو پاک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس شعور سے لاشعور پیدا ہوتا ہے۔ یہ نہایت اہم ہے کہ ان عناصر کا سائنسی تجزیہ کیا جائے۔ تاکہ انسان میں مذہبی شعور کی موجوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا جا سکے۔"

انسان کی طبیعت میں بنیادی مذہبی جذبات کے بارے میں ایک اور ماہر نفسیات مستشرق فویجیل کہتے ہیں۔

" مذہبی اعتقادات کو ایک ضروری حاجت بنانے میں مذہبی احساسات کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔"

لینن گراڈ کے ماہر نفسیات یا وڈیجین کا قول ہے کہ

" مذہب پرستی کا مظہر انتہائی جذباتیت اور ذہنی فساد کے نتیجہ میں صادر ہوتا ہے۔"

کیف کے مستشرق بی اے لوبونیک کا خیال ہے۔

" مذہبی ذہنیت کا انسان دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک تو عالم طبیعی، دوسرا عالم مافوق الطبعی ایسے انسانوں کی مدد یوں کی جا سکتی ہے کہ اس کے طبیعاتی تصورات کو تقویت دی جائے اور خیالات کی اصلاح کی جائے۔"

لینن گراڈ کے ایک اور مستشرق ڈی ڈی ابتلمان کہتے ہیں:۔

" بنیادی طور پر ایک غیر مذہبی شخص ماحول کے اثرات سے مذہبی ہو سکتا ہے۔"

آر بوکین کا اعتقاد ہے کہ

" مذہبی احساسات گرچہ شاذ ہیں لیکن اصل بنیاد یہی ہیں اور انہی پر مذہبی تصورات کی بنیادیں استوار ہیں جو محض وہم اور فریب ہیں۔ چونکہ دینی احساسات کا مقابلہ احساسات ہی سے کیا جا سکتا ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس مذہبی شعور کی جگہ دوسرے احساسات کو ترغیب و ترہیب کے ذریعہ بدل دیا جائے۔"

مسلمانوں کے بارہ میں مستشرق جاکوبنسکی کے مبلغ علم کا اندازہ اس قول سے ہو سکتا ہے۔

" اس دنیا میں لوگ ہمیشہ خدا کے وجود کے معتقد رہے ہے۔ گو اس اعتقاد میں مذہبی روایات و خرافات کا اثر کارفرما رہا۔ مسلمان بھی انہی لکیروں پہ چل رہے ہیں جن کو قرآن نے ابھارا ہے۔ ان روایات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مہینہ بھر جسے وہ رمضان کہتے ہیں کھانے پینے سے باز رہتے ہیں۔"

مشہور مستشرق کلیمو فینتش جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے کہتے ہیں:۔

" کسی بھی مذہب پرست قوم کی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ اپنے مذہبی عقائد کو بالکلیہ نہ ختم کر دے اور انسانیت کو گمراہ کرنے والے اپنے بوسیدہ افکار کو یکسر ترک نہ کر دے۔

مذہب کا خاتمہ ترقی کا تقاضا ہے اور اس لئے یہ کار واجب ہے"

جمال الدین افغانی کی پان اسلام ازم تحریک کے بارہ میں کلیمو فیتش کا خیال ہے کہ

" انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں پان اسلام ازم کی تحریک کی فکر مشرق میں ظاہر ہوئی - یہ تحریک رجعت پسندانہ سیاسی تحریک تھی"

اسلام کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ :-

" اسلام کی اپنی خاص تاریخ ہے - اس کے عقائد، روایات اور خاص رسم و رواج ہیں - اسلام کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان تاریخی حالات کا مطالعہ کیا جائے جن میں اسلام کی نشوونما ہوئی - عرب سے باہر اسلام کے پھیلنے کی وجہ مسلمانوں کے فوجی حملے اور ان کی فتوحات ہیں - ایشیا و افریقہ کے تہذیب یافتہ ممالک کے باشندوں کو غلام بنا لیا جانا بھی اسلام کے پھیلنے کی ایک وجہ ہے -

عربی فوجوں کے لشکر جب شہروں اور بستیوں پر قبضہ کرتے تو بربادی و پامالی کی جانب جلدی کرتے لوٹ کھسوٹ، مقبوضہ علاقوں کے باشندوں کو غلام بنا لینا اور ان باشندوں کی اکثریت کو برباد کر دینا ان کا شیوہ تھا - مسلمانوں کا خلیفہ جو ایک بڑی حکومت کا صدر ہوتا تھا اس کی ذات میں دینی، فوجی اور شہری اقتدار اعلیٰ بیک وقت جمع ہو جاتا --- اسلام کے کاہنوں (علماء) کا فرض سب سے پہلے یہ ہوتا کہ وہ لوگوں کو خلیفہ کی اطاعت پر آمادہ کریں - اور اس طرح وہ کھلے مالی استحصال کے لئے وجہ جواز قائم کرتے جو اس دور میں عام تھا :

چونکہ خلافت کے عہد میں اسلام حکومت کا سرکاری مذہب ہوتا تھا اس لئے حالات خود بخود ان کاہنوں (علماء) کو ممتاز مقام دینے میں معاون ہوتے"

کلیمو فیتش نے اپنی کتاب " اسلام، ماضی اور مستقبل" کو جس کے اقتباسات اوپر پیش کئے گئے اس مشہور فقرہ پر ختم کیا ہے - یہ جملہ کتاب مارکس و اینجلز سے نقل کیا گیا ہے -

" مذہب ایک ذہنی سعادت ہے اور حقیقی سعادت کے حصول کے لئے اس کا خاتمہ بہت ضروری ہے - مارکس کا قول ہے کہ مذہب ایک تاریخی مظہر ہے جس کی جڑیں طبقاتی معاشرہ میں پیوست ہیں اور پھیلتی ہیں"

اس جائزہ کے بعد اس حقیقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ روسی استشراق اپنے حقیقی رجحانات و مقاصد میں اسلام کے خلاف اعلانیہ اور پیہم برسر پیکار ہے ؛

قاضی سید ثناء اللہ ندیم ۔ کاکاخیل

تحریک روشنیہ اور قیام پاکستان

ایک تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر عبدالرشید صاحب جامعہ کراچی کا ایک مقالہ ستمبر ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں "تحریک روشنیہ اور قیام پاکستان ایک تحقیقی مطالعہ" کے زیر عنوان شائع ہوا۔ چونکہ یہ تحریک اور اس کی بانی شخصیت' متنازعہ ہے اس لئے مدیر محترم نے بجا طور پر اس پہ اظہارِ خیال کی دعوت دی ہے۔

اس مقالہ سے ڈاکٹر صاحب نے تحریک روشنیہ کو ایک اسلامی تحریک اور اس کے بانی بایزید انصاری عرف پیر روشن کو اس تحریک کا قائد بنا کر پیش کیا ہے۔ چونکہ اس تحریک کی ناکامی کا سہرا حضرت سید علی ترمذی عرف پیر بابا اور ان کے خلیفہ اعظم حضرت اخون درویزہ کے سر ہے۔ لہٰذا اس مقالہ میں ڈاکٹر صاحب نے دانستہ یا نادانستہ یہ تاثر دیا ہے کہ اگر حضرت پیر بابا اور حضرت اخون درویزہ پیر روشن کی راہ میں حائل نہ ہوتے تو ہر طرف پیر روشن کی روشنی پھیل جاتی۔ مگر افسوس کہ پشتو زبان سے عدم واقفیت اور اس باب میں تاریخی پس منظر سے صرف نظر کی وجہ سے ایک غلط موقف کے ترجمان کے فرائض ڈاکٹر صاحب کو ادا کرنے پڑ رہے ہیں اور اسی لئے پیر روشن کو اونے مطالب میں اولیت اور پیر بابا کو ثانوی درجہ میں ذکر کرتے ہیں۔

تحریک باطنیت کا تاریخی پس منظر | حسن بن صباح اور باطنیوں کے دوسرے داعیوں نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ بڑے بڑے جید عالم ان کے ظلم کی نخچیر بنے۔ ہلاکو خان کی یلغار نے جہاں عباسی سلطنت کو بیخ بن سے اکھاڑ دیا وہاں باطنی تحریک کا گڑھ قلعہ الموت بھی اجڑ گیا۔ بچے کھچے باطنی برصغیر میں داخل ہوئے چنانچہ قرامطہ نے ملتان میں اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس ملحد باطنی شیخ نصر لودھی کے خلاف ۴۰۱ھ میں سلطان محمود غزنوی نے لشکر کشی کی اور اس کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

غزنوی سلطنت کے زوال اور غوری خاندان کے دورِ شباب میں اہل سنت والجماعت کے بڑے بڑے علماء دین و مشائخ کرام پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں تبلیغ حق کے لئے تشریف لائے۔ اور اہل بدعت و الحاد کے

خلاف بڑی قربانیاں دیں۔ ۱۰۶۵ھ سے ۱۰۵۰ھ تک کی صدی حق و باطل کی معرکہ آرائی کی صدی ہے۔ برصغیر ہند میں عموماً اور پختون علاقہ میں خصوصاً "رافضیہ"۔ "قدریہ" "حلولیہ"۔ "قلندریہ" اور "اباحیہ" فرقوں کے داعیوں نے یلغار کر دی تھی۔ چنانچہ پختون قوم کے دین کو شدید خطرہ درپیش ہوا۔ اسی دور میں قطب العالم سیدنا محمد طاہر نارنؒ کی چھٹی پشت میں ایک بزرگ و لی اللہ حضرت سید محمود بخاریؒ اور ان کے پانچ حق پرست علماء دین اور مجاہد فرزندوں نے جو "پنج پیر" کے نام سے مشہور ہوئے تمام صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں کا طوفانی دورہ کیا۔ ہر جگہ باطنیوں، ملحدوں اور اہل بدعت کا تعاقب کر کے ان سے مباحثے کئے۔ اور ان کی سیاہ کاریوں کو ناکام بنا دیا جہاں جہاں بھی یہ مجاہد بھائی پہنچتے وہاں توحید اور قرآن و سنت کے چشمے پھوٹ پڑتے اور بدعت والحاد کے اڈوں میں الو بولنے لگتا۔ جن کا مختصر حال لکھنا ایک روشن باب کھولنا ہے۔

پانچ پیر (پنج پیر) حضرت سید محمود جو حضرت سیدنا محمد طاہر نارن علیہ الرحمہ کی چھٹی اور حضرت سید عبدالوہاب عرف اخون پنجو بابا علیہ الرحمہ کی دسویں پشت میں ان کے پوتے ہیں۔ ان کے پانچ بزرگ عالم دین، حق پرست فرزندوں نے اجتماعی طور پر تمام پختون علاقہ میں دورہ کر کے قرآن و سنت کی اطاعت کی تبلیغ اور عقیدہ اہلسنت والجماعت کی اشاعت کی۔ صوبہ سرحد کے مختلف مقامات پر ان کے تبلیغی مراکز تھے۔ جہاں جہاں بھی یہ تشریف لے گئے وہاں انہوں نے چلہ کشی بھی کی اور قرآن و سنت کی تبلیغ بھی۔ وہ تبلیغی مراکز آج کل زیارت گاہیں بنی ہوئی ہیں اور عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعی "پنج پیر" کے نام سے پانچ اولیاء کرام کی قبریں ہیں۔ حالاں کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۔ پانچ پیروں کا تبلیغی مرکز پشاور کے قریب ہزار خانی اور رہبادر کلے کے درمیان پنج پیروں کی درگاہ ہے۔

۲۔ اکبر پورہ ضلع پشاور میں بھی پنج پیر کے نام سے ایک زیارت گاہ موجود ہے۔

۳۔ ضلع مردان تحصیل صوابی کا مشہور گاؤں پنج پیر بھی موجود ہے۔

۴۔ ہزارہ ڈویژن کے صدر مقام میں کچہری کے پاس ایک زیارت گاہ پنج پیر کے نام سے مشہور ہے جہاں پانچ قبریں بنی ہوئی ہیں حالاں کہ ان قبروں میں کوئی بھی دفن نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف پانچ بزرگ علمائے دین کی نشست گاہ ہے۔ اب ان پانچ بھائیوں کی زندگی کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے۔

پہلا مجاہد اور ولی اللہ پیر حضرت خواجہ سید جود علیہ الرحمۃ ہیں۔ جو اس تبلیغی قافلہ کے رکن رکین تھے۔ آخری زندگی انہوں نے ضلع پشاور کے دوابہ میں گذاری۔ وہیں وفات پائی اور وہیں ان کا مدفن ہے۔ ۲۔ حضرت خواجہ سید جود علیہ الرحمۃ جو باجوڑ تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ ۳۔ خواجہ سید احمد علیہ الرحمۃ ضلع مردان کلپانی کے کنارے موضع کنڈا میں محو استراحت ہیں۔ ۴۔ حضرت خواجہ سید محمود علیہ الرحمہ ضلع مردان کے موضع ننگ میں رہائش پذیر تھے وہیں ان کی زیارت گاہ ہے۔ ۵۔ حضرت خواجہ سید حسن ابدال جو ضلع اٹک میں تشریف لے گئے اور وہیں ان کے نام

سے منسوب شہر حسن ابدال آباد ہوا وہیں ان کا مزار ہے۔

سادات بخاری کے یہ مجاہد اور اہل اللہ بھائی جو پنج پیر کے نام سے مشہور ہوتے دین حق قرآن وسنت وعقائد حقہ کی اشاعت میں اور عقائد باطلہ اور باطنی تحریک کے استیصال میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس پردہ بھی اہل باطل کے نشانۂ ظلم وستم بنے رہے۔ انہیں گمراہ اور ملحد پیروں میں رفض اور اباحیت کا ایک علم بردار پیر شہباز قلندر بھی تھا جو ضلع مردان علاقہ امازئی میں آیا اور اپنا اثر رسوخ اتنا پھیلایا کہ ان پانچ پیروں کے بزرگ ولی اللہ والد حضرت سید محمود دتارن بخاری کو اپنے مدفن سے نکال کر دوسری جگہ دفن کیا۔ اور احاطہ مزار کو اس ملحد پیر نے رقص وسرود اور شراب وکباب کا مرکز بنا دیا۔ یہاں طاؤس ورباب کے ساتھ لواطت اور بدکاری کی جاتی تھی اس نے وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے اس مزار میں دفن کیا جائے۔ اس گمراہ کو ضلع مانسہرہ کے تنولی قبیلہ کے ایک مسلمان نے قتل کردیا اور وہیں دفن ہوا۔ اسی کے نام سے ایک قصبہ شہباز گڑھ مشہور ہوا۔

یاد رہے کہ بعض لوگ حضرت لعل شہباز قلندر کا نام اس گمراہ سے خلط ملط کر رہے ہیں۔ یہ بزرگ ولی اللہ حافظ قرآن اور عالم دین تھے اور قادری سلسلہ کے پابند شریعت بزرگ تھے جن کا مزار سیہون (سندھ) میں ہے۔

اکبر کا دور ظلمت اکبر نے دین الٰہی کے نام سے ایک مذہب رائج کیا جس نے تمام مذاہب سے اعتقادات چن کر ایک نیا دین نافذ کردیا۔ فیضی، ابوالفضل اور بہت سے علماء سُو نے اس کی تائید کی۔ مگر ہر دور میں اہل حق نے باطل کو مٹانے میں قربانیاں دیں۔ چنانچہ ہندوستان میں قافلۂ حق کے سالار حضرت باقی رحمۃ اللہ اور ان کے بعد حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ بنے جن کی مساعی سے باطل سرنگوں اور حق غالب ہوگیا۔ مگر پختون علاقہ میں رفض واباحیت کے گمراہ اور ملحد پیروں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ ان کے استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت سید علی ترمذی عرف پیر بابا اور ان کے ایک عالم دین خلیفۂ اعظم حضرت اخون درویزہ کو مقرر فرمایا۔ ان گمراہ اور اباحیت پسند پیروں میں ایک قابل ذکر پیر ڈاکٹر صاحب کے ممدوح بایزید انصاری عرف پیر روشن بھی دیا تھا جو خود بھی عالم تھا اور بزرگ عالم دین شیخ عبداللہ دانشمند کا بیٹا تھا جو ابراہیم لودھی کے قاضی القضاۃ تھے۔ لیکن جب بایزید انصاری نے باطنی اور ملحدانہ نظریات اپنائے تو ان کے بزرگ والد نے اسے عاق کردیا اور ترک تعلق کرلیا۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرواہ نہ ہو تو اسے باپ کی ناراضگی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے جب اس نے اپنے مذموم خیالات کو وسعت دی اور ایک وسیع حلقۂ اثر پیدا کرلیا اور اہل سنت والجماعت کے لئے ایک فتنہ بن گیا۔ تو حضرت پیر بابا علیہ الرحمہ اور حضرت اخون درویزہ رحمہ اللہ نے اس کی مزاحمت کی بقول علامہ اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حق و باطل کی کشمکش شروع ہو گئی۔ حکومت وقت جو دین الٰہی کی علمبردار تھی بایزید انصاری کی ہم نوا تھی اور اکبر کے دربار میں اسے پذیرائی حاصل تھی۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے گورنر کابل مرزا حکیم کے ایما پر جید عالم قاضی خان اور بایزید انصاری کے جس مکالمے کا ذکر کیا ہے اور پھر قاضی خان کی رپورٹ کو بطور سند پیش فرمایا ہے کہ "ایں مرد کامل است" ایک مغالطہ ہے اس لئے کہ باطنیوں کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ تقیہ فرائض دین میں سے ہے۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے کئی بار اپنی دعاوی کو مجددیت بروزی و ظلی نبوت کا نام دیا؟ کیا شراب کا نام شہد رکھنے سے اس میں مٹھاس پیدا ہو سکتی ہے یا اس کی حرمت ختم ہو سکتی ہے؟ بایزید انصاری اور اس کے ہمنوا اہل حق کی مزاحمت کو حسد پر محمول کرتے ہیں۔ حالاں کہ اس کے غلط عقائد اس کے مرید پشتو شعراء مرزا خان انصاری، علی محمد مخلص اور محمد عزیز ارزانی کے کلام سے کھل کر ظاہر ہوتے ہیں۔ "حالنامہ" میں بایزید انصاری کے متعلق علی محمد مخلص لکھتا ہے کہ

بایزید انصاری عرف پیر روشن نے کہا "چونکہ بندہ عین ذات خدا تعالیٰ ہے تو پھر نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا تو ایسے ہوا جیسے کوئی اپنی عبادت کرتا ہو اس لئے میں نے نماز چھوڑ دی"۔

محمد عزیز ارزانی نے اسی عقیدہ کو اپنے کلام میں یوں پیش کیا ہے۔

د عنصر لباس ئے واغوست — کہ مسلم او کہ ہندو دہ

د بندگی نامہ ئے کینبوہ — خود ساجد و خود مسجود دہ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے عنصر کا لباس پہن کر (بندہ میں حلول کر کے) ظاہر ہو گیا کیا مسلمان کیا ہندو۔ ہر جسم میں خدا موجود ہے۔ بندگی کا صرف نام رکھ دیا گیا ہے حالاں کہ بندہ ساجد بھی ہے اور مسجود بھی۔

بایزید انصاری دراصل فرقہ باطنیہ اباحیہ کا داعی تھا۔ یہ فرقہ ہر حرام کو حلال اور مباح سمجھتا ہے۔ چنانچہ تمہید ابو شکور سالمی میں ان کے عقائد کا ذکر یوں ہے:۔

انّ العبد اذا بلغ المحبۃ وصفا قلبہ واختار الدین علی الکفر من غیر نفاقٍ سقط عنہ الامرُ والنہی ولا یدخلہ اللہ بارتکاب الکبائر النار ویسقط عنہ العبادۃ الظاہرۃ ویکون عبادۃ التفکر۔ وقد تبین ان ھذا کلہ کفر وضلال

ترجمہ:۔ بندہ جب عشق و محبت کے مقام پر پہنچ جاتے اور دل کی صفائی حاصل کر لے کفر کی جگہ دین بغیر نفاق کے قبول کر لے۔ تو اس سے امر و نہی (تمام احکام الٰہی ساقط ہو جاتے ہیں یعنی شراب، زنا، لواطت، رہزنی، قتل و غارت، جو مناہی ہیں جائز اور مباح ہو جاتے ہیں اور نماز روزہ، حج زکوٰۃ جو اوامر ہیں ان کی ادائیگی کی ضرورت باقی نہیں رہتی) اللہ تعالیٰ اب اسے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے دوزخ میں نہیں ڈالتا۔ اس سے ظاہری

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

- سرسید احمد خان
- پیر بایزید روشن

(قارئین کے خیالات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں)

سرسید احمد خان کی تصویر کا دوسرا رخ | عرصہ سے تمنا دل میں کروٹیں لیتی رہی کہ سرسید احمد خان کی تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے تاکہ اس کے بارے میں جس بے جا غلو سے کام لیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے انہیں "قومی ہیرو" اور "مسلمانوں کا نجات دہندہ" جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ حالاں کہ "قومی ہیرو" اور "مسلمانوں کا نجات دہندہ" کا تاج اس کے سر پر کسی بھی صورت فٹ نہیں ہوتا۔ تاریخ کے جھروکوں سے جھانکنا چاہیے کہ اس کا ردعمل ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریز بہادر کے بارے میں کیا تھا؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو جب اس کے افکار باطلہ اور خیالات فاسدہ کا علم ہوا، تو اپنے ہم سبق ہونے کے ناطے (کیونکہ یہ دونوں مولانا مملوک علی صاحبؒ کے تلامذہ میں تھے) انہوں نے آپ کو مکتوب میں لکھا کہ میں آپ کے پاس آپ کی تصحیح عقائد کی خاطر حاضر ہو رہا ہوں تو سرسید نے نہایت شانِ خسروانہ اور انداز بے نیازی سے حجۃ الاسلام کو غالب کا یہ شعر لکھا ؎

حضرت ناصح جو آویں دیدہ و دل فرشِ راہ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دیں کہ سمجھاویں گے کیا؟

بانی دارالعلوم نے جواب الجواب میں اپنی خداداد استعداد علمی کے بدولت اور جواب ترکی بہ ترکی کے مصداق غالب کے اسی ہی غزل سے ان کو یہ شعر لکھا ؎

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟

اکثر سادہ لوح عوام بلکہ بعض خواص بھی اس زعم میں مبتلا ہیں کہ چونکہ اس کی داڑھی نہایت لمبی اور گھنی تھی اس وجہ سے یہ نہایت پاک طینت اور عظیم مسلمان ہیرو کہلانے کے مستحق ہیں۔ علما نے ویسے ہی ان کے خلاف طوفانِ بدتمیزی بپا کر رکھا ہے۔ سو اس بارے میں مولانا سید عبدالحیٔ الحسنی (والد بزرگوار مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر (عربی) جلد ۸ صفحہ ۳۵ پر رقم طراز ہیں:۔

وَكَانَ فِي نَحْرِهِ غُدَّةٌ تغطيها لحيتهُ الكبيرة

اور سرسید کے گلے میں (داڑھی کے نیچے معیوب) گلٹی تھی جس کو وہ اپنی لمبی داڑھی سے چھپائے ہوئے تھے یہاں یہ حقیقت حال بھی واضح ہونی چاہیے کہ علماء کرام نے اس کی مخالفت جدید تعلیم اور انگریزی کے فروغ کی وجہ سے

نہیں تھا بلکہ علماء کو خود نئے حالات اور تقاضوں کا احساس تھا بلکہ سرسید کے عقائد باطلہ اور تفسیر میں خرافات بیان کرنے پر علماء ان سے ناراض ہوئے تھے۔

الحق میں ڈاکٹر ابوسلمان صاحب شاہجہانپوری نے اپنے مبسوط مقالہ "سرسید احمد خان افکار اور کردار کا ایک بے لاگ جائزہ" میں تصویر کے دوسرے رخ کی نقاب کشائی کر کے جرأت رندانہ کا مظاہرہ کیا ہے۔

حافظ محمد ابراہیم فانی

پیر بایزید روشن اور مرزی | شاید اس بات کو دو برس ہوگئے ہیں کہ "غازی" نے اس عنوان پر ایک مختصر سا مضمون حضرت مولانا مدرار اللہ مردان کے ایک مضمون کے جواب میں الحق کو بھیجا تھا جسے اشاعت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اور غازی اس خیال سے خاموش ہوگئے کہ شاید اس کا مضمون مولانا سمیع الحق صاحب کے "مزاج اسلامی" پر گراں گذرا ہے اس لئے اشاعت کا شرف حاصل نہیں کرسکا۔ لیکن اب الحق ستمبر ۸۲ ۱۹ء میں ص ۵ پر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب پی ایچ ڈی جامعہ کراچی کا مضمون بعنوان "تحریک روشنیہ اور قیام پاکستان" پڑھ کر محسوس ہوا کہ مولانا سمیع الحق صاحب کے "مزاج اسلامی" میں "اسلامی فراخ دلی کی روشنی" پیدا ہوگئی ہے۔ اور سمجھ گئے ہیں کہ "پیر بایزید روشن" "پیر تاریک" نہیں بلکہ پیر روشن ضمیر اور ایسے مجاہد کہ اس نے اور اس کے مجاہدوں نے مغل سامراجی فوجوں کے تلوار کے ذریعے چھکے چھڑا دئے تھے"۔

محترم جناب ڈاکٹر عبدالرشید نے "تعارف" کے ضمنی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ :۔

"بایزید روشن جو تحریک روشنائی کے بانی تھے ان کا سلسلہ نسب اکیسویں واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے" ---- اور کہ "بایزید جالندھر (ہندوستان) میں پیدا ہوئے تھے لیکن آپ کے والد نے پیدائش کے بعد جنوبی وزیرستان کو ہجرت کی تھی"

اس سلسلہ میں "غازی" یوں "گستاخی" کے مرتکب ہوتے ہیں کہ بایزید روشن" اور مُرمَّ" تھے اور یہ قبیلہ "کرلانی" افغانوں میں سے ایک ہے جو پہلے "آتش پرست" تھا لیکن جب "آفتاب اسلام" طلوع ہوا اور جب یہ "نور اسلام" سے منور و ضیا بار ہوا "اور (آگ) مُرَّ ہوا۔" اور" اور "مرڑ" دونوں لفظ "پشتو" کے ہیں۔ لودھی افغان حکمرانوں کے زمانے میں یہ" اورمڑی" جالندھر میں سلسلہ کاروبار" کانڑی گرام" جنوبی وزیرستان سے آئے تھے۔ جالندھر کے قریب اب بھی ان کا یادگار "قصبہ" اورمڑ ٹانڈ ا" آباد و موجود ہے۔ بایزید روشن اور ان کے والد بزرگوار نے جالندھر سے جنوبی وزیرستان کو ہجرت نہیں کی تھی۔ بلکہ جالندھر سے اپنے وطن" کانڑی گرام" وزیرستان کو مراجعت فرمائی تھی۔ مجاہد پیر بایزید روشن "افغان اورمڑ تھے اور مشہور صحابی ایوب انصاری ؓ کے نسب سے ان کا دور اور نزدیک

کا کوئی رشتہ نہیں تھا اور نہ ہی اس زمانے میں موجودہ "پاکستان" کا کوئی تصور اور خیال تھا۔ "انصاری" اور بایزید روشن کا لقب "من انصاری الی اللہ" کی نسبت سے تھا۔

ڈاکٹر عبدالرشید صاحب نے اپنے مضمون میں "پاکستان" کا تذکرہ کرکے "ٹھونس ٹھانس" سے کام لیا ہے اور یہ بات نہایت ہی افسوسناک ہے کہ "ہندو پاک" کے نام نہاد "مورخ" اور "اسکالر" تاریخی حقائق کو نظر انداز کرکے مصلحتوں کے شکار ہو رہے ہیں۔ مجاہد آزادی خان غازی کابلی۔ کوچہ رحمان دہلی ۶

پیر روشن اور ان کی تحریک | الحق ماہ ستمبر ملا۔ اس میں سب مضامین عموماً اور خاص کر ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری اور ڈاکٹر عبدالرشید صاحب اپنے مضمون پر مزید تحقیق کریں تو شاید یہ ثابت ہو جائے کہ پیر روشنؒ اور پیر باباؒ، اس وقت کے دو سیاسی گروہوں (حکومت مغلیہ اور افغان قوم) کے نمائندے تھے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ افغان اور مغل (ترک) شروع سے ہی ایک دوسرے کے حریف رہے ہیں اور اس خطہ ارض افغانستان و ہندوستان کی سیاسی تاریخ ان دونوں قوموں کی آویزش سے ہی عبارت ہے۔

بہر حال اس عنوان۔ پیر روشنؒ اور پیر باباؒ۔ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام دعا کا محتاج۔ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی۔ ایبٹ آباد

★ سب سے پہلے سعادت حج پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ "نقش آغاز" اگرچہ آپ کی نگارشات سے محروم تھا لیکن خدا شاہد ہے کہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کا جائزہ سرسید یقیناً اداریئے کا صحیح قائم مقام ہے۔ نئی نسل کو گمراہی سرسید سے آگاہ کرکے شاہ جہانپوری صاحب نے امت کے فرض کفایہ کا حق ادا کر دیا۔ اس مضمون کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ کافی عرصہ کی بات ہے کہ مقدمہ تفسیر حقانی میں خرافات سرسید سے آگاہی ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر موصوف نے نئی جلا بخشی ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ (مولانا عزیز الرحمن لکی مروت)

★ جناب قاری فیوض الرحمان ایبٹ آباد۔ جناب سلیم الحنان کراچی اور الحق کے کئی قارئین نے مضمون پڑھ کر میرے والد مفتی حاجی عبدالرحمن صاحب کوٹھوی کی تاریخ وفات کے بارے میں استفسار فرمایا ہے۔ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب پر ۱۹۶۰ء میں فالج کا شدید حملہ ہوا۔ نشتر ہسپتال ملتان میں بہترین معالجے کے بعد آپ کافی حد تک صحت یاب ہوئے۔ تاہم دماغ اور بعض اعضا پر فالج کا کچھ اثر باقی رہا ایک روز بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۹-۶-۱۹۷۲ء اچانک مدرسہ قاسم العلوم لیاقت پور (بہاولپور) سے اکیلے عازم راجن پور (ڈیرہ غازی خان) ہوئے اور دوران سفر ہی لاپتہ ہو گئے۔ سعی بسیار کے باوجود آج تک آپ کا کچھ پتہ نہ لگ سکا۔ چنانچہ آپ کی تاریخ جائے وفات اور مقام تدفین معلوم نہیں ہو سکی۔

دعا کا طلبگار (حافظ جمیل الرحمان۔ کوٹھا۔ صوابی)

★ **دارالعلوم محمدیہ مٹورہ** | دارالعلوم محمدیہ مٹورہ، بنوں (سرحد) میں موقوف علیہ تک درسی کتب اور شعبہ حفظ القرآن بفضل خدا منظم طریقے سے جاری ہے۔ طلبا کی رہائش کے لئے کمرے تعمیر کرنے کی اشد ضرورت ہے لہذا اہل خیر حضرات سے تعاون کی اپیل ہے۔

مولانا شیر عالم حقانی مہتمم دارالعلوم محمدیہ مٹورہ ضلع بنوں

★ **کتاب یہودیت و مسیحیت** | گذشتہ ماہ کی اشاعت میں کتاب "یہودیت و مسیحیت" مرتبہ ڈاکٹر احسان الحق جامع تبصرہ شائع ہوا ہے۔ قارئین نوٹ فرمالیں کتاب کی قیمت مبلغ ۴۵ روپے ہے اور مندرجہ ذیل پتوں سے مل سکتی ہے

۱۔ مسلم اکادمی، محمد نگر لاہور نمبر ۵ — ۲۔ پاک مسلم اکادمی۔ الفیصل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

تحریک روشنیہ

(بقیہ از صفحہ ۲۰)

عبادات کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کی عبادت بس تفکر ہے۔ یہ سارے اعتقادات کفر اور گمراہی کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ان ملحدانہ اور کافرانہ عقائد کے خلاف حضرت پیر بابا اور حضرت اخون درویزہ نے بجا طور پر سرفروشانہ جہاد کیا۔ جن کی مساعی مشکور ہوئیں۔ باطل مٹ گیا اور حق غالب آگیا۔ آج کسی کو پتہ بھی نہیں کہ بایزید انصاری کا مزار کہاں ہے۔ مگر حضرت پیر بابا اور حضرت اخون درویزہ مرجع عوام و خواص ہیں اور لوگوں کے دلوں میں بستے ہیں۔ حافظ عبدالمقتدر الپوری فرماتے ہیں۔

نکہ زیرہ پہ مہول پښتون ئے اخون ایښے — همیرہ زیرہ کلہ پہ خوئ خپل پہ زدی

ترجمہ۔ حضرت اخون درویزہ نے جتنا احسان ساری پختون قوم پر کیا ہے اتنا کوئی شفیق باپ اپنے فرزند پر نہیں کر سکتا۔ درحقیقت ساری پختون قوم پیران بزرگ اولیائے کرام کے احسانات ہیں کہ حق کی حمایت کرکے حق کو غالب کیا۔ آج کسی دیہاتی سے پیر روشن کا نام پوچھیے تو کوئی نہیں جانتا۔ مگر پیر تاریک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت بر جریدۂ عالم دوام ما

اس مضمون کا مواد مندرجہ ذیل کتب سے لیا گیا ہے۔

تذکرۃ الابرار و الاشرار۔ آئینۂ تصوف۔ بستان مذاہب۔ روحانی رابطہ اور رود کوثر وغیرہ

مضمون نگار حضرات سے التماس ہے کہ مضامین صاف اور خوشخط کاغذ کے ایک طرف روشنائی سے تحریر فرمائیں۔

شکریہ

از جناب زبید محفوظ خان صاحب ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ، پشاور

غرقِ فرعون اور اس کی لاش کا مسئلہ

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب فرانس کے جواب میں

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب۔ فرانس کا جواب ماہنامہ الحق ماہ اگست میری نظر سے گذرا۔ ڈاکٹر صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنے خیالات کی مزید توضیح اس مضمون میں فرمائی ہے۔ لیکن مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ فرعون مدّ و جزر کی وجہ سے غرق ہوا۔ اور اس کی لاش غوطہ خوروں نے نکالی۔ ڈاکٹر صاحب نے جو مثال اپنے بچے کی ڈوب جانے اور اس کی لاش تلاش کرنے کی پیش کی ہے وہ عام حالات میں ممکن ہو سکتی ہے۔ لیکن عام حالات اور معجزہ میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور انبیائے کرام کے ذریعے سے ظہور پذیر ہوتا ہے جب کہ عام حالات میں ہر ایک انسان عالم اسباب سے کام لیا کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا فرعون سے نجات، دریا میں راستہ بن جانے سے اور فرعون اور اس کے لشکر کا ڈوب جانا صرف ایک معجزہ تھا جس میں آنے والے لوگوں کے لئے ایک مثال پیش کرنا ہے۔ تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

فرعون کا ذکر قرآن کریم کے مندرجہ ذیل آیات میں صریحاً آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی اور جگہ قرآن کریم میں کنایتہً بھی ذکر آیا ہو۔

سورہ بقرہ	آیت ۵۰ ۔	آل عمران	آیت ۱۱	الاعراف	آیات ۱۰۳ تا ۱۳۶
الانفال ۔	آیت ۵۲، ۵۴ ۔	یونس	آیت ۷۵ تا ۹۳	ہود	آیات ۹۶ تا ۹۷
بنی اسرائیل	” ۱۰۱ تا ۱۰۳	طٰہٰ	” ۹ ” ۷۹	المومنون	” ۴۵ ” ۴۹
الشعراء	” ۱۰ ” ۶۳	القصص	” ۴ ” ۴۰	العنکبوت	” ۳۹ ” ۴۰
المومن	” ۲۳ ” ۳۲	الزخرف	” ۴۶ ” ۵۶	الدخان	” ۱۷ ” ۲۲

سورہ الذاریات آیات ۳۸تا۴۰ سورہ القمر آیات ۴۱ تا ۴۲ سورہ التحریم آیت ۱۱

المزمل " ۱۵، ۱۶ الفجر " ۱۰، ۱۴ " النزعٰت " ۱۵تا۲۶

اب علیحدہ علیحدہ ان آیات قرآنی کا مفہوم اور معانی دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ فرعون کا مدّ وجزر سے غرق ہونا کہاں تک صحیح ہے۔ سورہ البقرہ کی آیات ۵۰ میں ذکر ہے وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:۔

" اور جب شق کر دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے بچا لیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو۔"

مولانا فتح محمد جالندہری اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:۔

" اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو تم کو نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا۔"

تفسیر "الکشاف" عربی ترجمہ صد ۲۸۰ پر لفظ فَرَقْنَا کا ترجمہ عربی میں اس طرح ہے (فرقنا) فصلنا بین بعضہ وبعض حتّی صارت فیہ مسالك لكم۔ وقری فرّقنا بمعنی فصلنا۔ 'فصلنا' کا اردو ترجمہ القاموس الفرید میں صد ۵۰۴ پر 'فصل' سے ٹکڑے کرنا، تقسیم کرنا لکھا ہے۔ تفسیر روح المعانی جلد ۳ صد ۳۳۳ پر اس آیت قرآن کا عربی ترجمہ یوں تحریر ہے (واذ فرقنا بكم البحر) عطف علی ما قبل والفرق الفصل بین الشیئین وتعدیۃ الی البحر بتضمین معنی الشق

اسی طرح تفسیر کبیر للامام فخر الرازی جلد ۳۔۴ کے صفحہ ۷۰ پر اس آیت کا ترجمہ عربی میں اس طرح سے ہے:۔

(واذ فرقنا بكم البحر فانجينكم واغرقنا آل فرعون) هذا هو النعمة ثانية وقوله (فرقنا) ای. فصلنا بین بعضہ وبعض حتی صارت فیہ مسالك لكم وقری (فرّقنا) بالتشدید بمعنی فصلنا یقال فرق بین الاشیاء لان المسالك كانت اثنتی عشرۃ علی عدد الاسباط فان قلت ما معنی (بكم) قلنا فیہ وجهان - احدهما: انهم كانوا یسلكونہ ویتفرق الماء عند سلوكهم فكانما فرق بهم كما یفرق بین الشیئین بما توسط بینهما"...... چنانچہ اس آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح سے ہوا کہ " جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا" تو دریا کا شق ہونا کسی صورت میں مدوجزر سے نہیں ہوا کرتا۔ مدوجزر میں صرف پانی کی کمی بیشی واقع ہوتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت قرآن کریم کی آیت ۷۷ سورہ طٰہٰ سے ہوتی ہے۔ ولقد اوحینا الی موسیٰ ان اسْرِ بعبادی فاضرب لهم طریقاً فی البحر یبساً" اس آیت کا اردو ترجمہ مولانا فتح محمد جالندہری نے صد ۳۰۴ تفسیر القرآن میں یوں کیا ہے:۔

" اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ۔ پھر ان کے لئے دریا (لاٹھی مار کر) خشک راستہ بنا دو۔"

تفسیر الکشاف عربی ترجمہ جلد ۲ صہ ۵۳۶ (فاضرب لھم طریق) فجعل لھم من قولھم ضرب له في ماله سھما وضرب اللبن عملا- الیبس حصور وصف به - قرئ بسکون الباء وبفتحھا الخ) قال احمد ووجد آخر وھو أن قدر کل جزء من اجزاء الطریق طریق - وکانت بھذہ المثابۃ لأنھا کانت اثنی عشر طریقًا لکل سبط طریق - واللہ اعلم لفظ "یَبَسًا" کے معنی عربی اردو ترجمہ زین العابدین سجاد میرٹھی صاحب صہ ۸۹۱ (بیان اللسان) پر اس طرح سے کرتا ہے - "یابس" خشک - یعنی عصا مارنے سے سمندر خشک ہو کر اس میں ۱۲ راستے بن گئے - ۱۲ کی تعداد بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کی وجہ سے ہے -

اس کی مزید وضاحت سورۃ الشعرا آیت ۶۳ میں قرآن کریم کے ان الفاظ میں ہے -

"فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاك البحر" فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم"

اردو ترجمہ مطابق مولانا اشرف علی تھانوی صہ ۵۷۰ اس طرح سے ہے :-

" پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو - چنانچہ وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا تھا جیسے بڑا پہاڑ "

اسی آیت شریف کا ترجمہ تفسیر القرآن اردو - مولانا فتح محمد جالندھری کے صہ ۵۵۲ میں یوں ہے -

" اس وقت موسیٰ کی طرف ہم نے وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی کو دریا پر مارو تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ ہے)

تفسیر الکشاف جلد ۳ صہ ۱۱۵ میں اس آیت کی تفصیل اس طرح ہے -

"فاوحی اللہ تعالی الیہ ان اضرب بعصاك البحر فضربہ فصار فیہ اثنا عشر طریقًا لکل سبط طریق ..... ویقال ھذا البحر ھو بحر القلزم - وقیل ھو بحر من وراء مصر"

ان خشک راستوں پر سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دریا سے پار ہو گئے - تو ان کے پیچھے فرعون اور اس کے لشکر ان کے تعاقب میں چلے گئے - جس کا ذکر سورہ طٰہٰ آیت ۷۸ میں ہے - فاتبعھم فرعون بجنودہ فغشیھم من الیم ما غشیھم ط جس کا ترجمہ اردو میں مولانا فتح محمد جالندھری کے الفاظ میں اس طرح ہے کہ

" پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تو دریا (کی موجوں) نے ان پر چڑھ کر انہیں ڈھانک لیا (یعنی ڈبو دیا) "

" غشیھم " غشاوہ - غشی - غشاءٌ ہے جس کا مطلب ہے ڈھانکنا - پردہ ڈالنے کے ہے -

یعنی فرعون اور اس کی فوج دریا کے ان راستوں پر جا کر جب وسط میں پہنچے تو دریا پہلے کی طرح دوبارہ آملا - فرعون اور اس کی فوج کو ڈھانک دیا یعنی غرق ہوا - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرعون غرق ہونے کے بعد کیسے دریا سے نکلا - آیا غوطہ خوروں نے نکالا یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی لاش ساحل دریا پر پھینک دی گئی -

تفسیر روح المعانی جلد ۱۶ - ۱۸ کے صفحہ ۱۵ میں ذکر ہے۔ اسی طرح تفسیر کبیر امام فخر الدین میں اسی واقعہ کا ذکر صہ ۹۴ جلد ۲۲ میں بہت دلچسپ پیرایہ میں موجود ہے۔ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دریا سے صحیح وسلامت پار ہو گئے اور دریا واپس ملا اور فرعون غرق ہوا۔ تو بنی اسرائیل نے دریا کے ملنے کی آواز سن کر موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ فرعون اور اس کی فوج کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا ہے۔ تو وہ واپس ہوئے تاکہ ان کو دیکھ لیں۔ تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تاکہ ہم ان کو دیکھ لیں۔ چنانچہ موسیٰ نے دریا کو حکم دیا "فلفظہم البحر الی الساحل" پس دریا نے اس کو ساحل پر پھینک دیا۔

مزید مدّوجزر سے غرق ہونے کی تردید سورہ القصص آیت ۴۰ سے ہوتی ہے۔

فاخذناہ وجنودہ فنبذنٰھم فی الیم ترجمہ "تو ہم نے ان کو اور ان کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا میں ڈال دیا" سورۃ الزخرف آیت ۵۵ میں ارشاد ہے۔ "فلما اسفونا انتقمنا منھم فاغرقنٰھم اجمعین ترجمہ۔ پھر جب انہوں نے ہم کو غصہ کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے کر ان سب کو ڈبو چھوڑا"

آگے سورہ الدخان آیت ۲۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فاسر بعبادی لیلاً انکم متّبعُون وترك البحر رھواً انّھم جندٌ مُغرقُون۔ ترجمہ۔ (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا۔ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ اور (فرعونی) ضرور تمہارا تعاقب کریں گے اور دریا سے (کہ) خشک (ہو رہا ہوگا) پار ہو جاؤ (تمہارے بعد) ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا"

اس کے بعد قرآن کریم میں سورہ الذاریات آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاخَذنٰہُ وجنودہ فنبذنٰھم فی الیم وھو ملیم ترجمہ۔ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ کام ہی قابل ملامت کرتا تھا۔

اب مزید سوال یہ رہا کہ فرعون آیا دریائے نیل میں غرق ہوا یا بحیرہ قلزم میں۔ تو قرآن کریم میں لفظ "یم" اور "بحر" دونوں آئے ہیں۔ "یم" کے معنی دریا اور سمندر دونوں ہو سکتے ہیں۔ (دیکھو) القاموس الفرید صہ ۶۷۳ — بیان اللسان صہ ۹۴۸۔ بہرکیف الکشاف میں ہے کہ "یم" کا مطلب وہ دریا یا سمندر ہے جس کی تہہ یا قعر نامعلوم ہو۔ یعنی بہت گہرا ہو۔ واللہ اعلم

امید ہے کہ حمید اللہ صاحب کی تسلی ہو گئی ہوگی۔ اگر میں خود کبھی پیرس گیا (جیسا کہ کئی مرتبہ جا چکا ہوں) تو میں انشاء اللہ حمید اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کروں گا۔

BERGER BERGER BERGER
روبیالیک
برجر
کے
مشہور زمانہ
پینٹ
برجر۔ پینٹس تیار کرنے والا ایک بین الاقوامی ادارہ جس کے ۲۵ ممالک میں پینٹ
بنانے کے ۴۶ کارخانے قائم ہیں۔ برجر کے یہ کارخانے اعلیٰ معیار کے پینٹس اور پینٹ سے
دوسری منسلک مصنوعات بنانے اور فروخت کرنے کے لئے وقف ہیں۔
برجر گروپ کی بین الاقوامی ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برجر پینٹس پاکستان لمیٹڈ
آپ کے لئے روبیالیک کے نام سے اعلیٰ معیار کے دیدہ زیب اور خوشنما پینٹس کے ساتھ ساتھ
مختلف قسم کے اسپیشلائزڈ کوٹنگز، انڈسٹریل اور میرین پینٹس تیار کرتا ہے۔
برجر پینٹس پاکستان لمیٹڈ

المیۂ بیروت

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

بیروت میں اسرائیل کی وحشیانہ اور سفاکانہ کارروائیوں فلسطینی پناہ گزینوں اور مجاہدین آزادی کے
جبریہ انخلاء اور آخر میں لبنان کے مارونی عیسائیوں اور فلانجسٹ کے ہاتھوں باقی ماندہ فلسطینیوں کا بے رحمانہ
قتل عام، ایسا واقعہ ہے جو موجودہ دور اور متمدن دنیا میں عرصہ سے پیش نہیں آیا۔ اور جس کی نظیر دور دور تک
نہیں ملتی۔

اس سے ایک طرف روز روشن کی طرح یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ موجودہ انسانی نسل میں اور اچھے
متمدن تعلیم یافتہ اور تہذیب کے مدعی انسانوں میں بھی، اب بھی وہ خون انسانی بلکہ خونخواری پائی جاتی ہے
جو ہزاروں برس پہلے دورِ جاہلیت کی خصوصیت اور بعض آدم خور قوموں اور قبائل کی روایت سمجھی جاتی
تھی۔ اور اس کے متعلق باور کر لیا گیا تھا کہ علم و تہذیب باہمی تعارف اور اتحاد کی ضرورتوں نے اس کو ہمیشہ
کے لئے ختم کر دیا ہے۔ اسی کے ساتھ بیروت کے مارونی عیسائیوں کی تنظیم حزب الکتائب یا فلانجسٹ
(جس کے لیڈر مقتول بشیر الجمیل تھے) کے ہاتھوں فلسطینیوں کے وحشیانہ قتل عام نے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی منافرت
اور تعصب بھی خاص طور پر عیسائی دنیا یا کم از کم اس خطہ میں اسی طرح زندہ ہے جس طرح چھٹی صدی
ہجری (بارھویں صدی عیسوی) میں یورپ کے صلیبی حملہ آوروں کے سینے میں موجزن تھا۔ جنہوں نے شاہ رچرڈ
وغیرہ کی قیادت میں فلسطین پر حملہ کیا تھا اور شہر قدس (یروشلم) میں مسلمانوں کا اتنا خون بہایا تھا کہ حملہ آوروں
کے گھوڑے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے عیسائی مقالہ نگار کے مطابق —— گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمہ
میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و عیاں ہوگئی کہ کسی طاقت و عزم
کے سامنے جو اپنے ناپاک مقاصد کو پورا کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مسلح و منظم
اور صاحب عزم طاقت نہ ہو محض انسانی ضمیر، اخلاقی حس، انصاف و معقولیت پسند جماعتوں بلکہ حکومتوں

کی ملامت و مذمت ۔ اقوام متحدہ جیسے عالمگیر ادارہ کا احتجاج اور اس کی تجاویز پر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں اور ابھی تک اس متمدن دنیا میں جنگل کا قانون اور MIGHT IS RIGHT کا اصول چل رہا ہے ۔ آئندہ اس عالمی ضمیر WORLD CONSCIENCE یا اقوام متحدہ UNITED NATIONS یا اپنے ہمدردوں، معقولیت پسند انسانوں کی مذمت و ملامت اور مظاہروں سے امید رکھنا طفل تسلّی، فریب نفس بلکہ خودکشی سے کسی درجہ کم نہیں۔ اس کی بے اثری اور بے وزنی جیسی اس المیہ کے موقعہ پر ظاہر ہوکر رہی ۔ ویسی عرصہ دراز سے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح یہ بات بھی ایک بدیہی حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں (امریکہ و روس) پر بھروسہ کرکے کوئی اقدام کرنا یا ان سے کوئی امید رکھنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور بدنصیبی ہے ۔ جس کا اب قطعاً کوئی کوئی جواز نہیں رہا ۔ نہ روس نے ان ملکوں کا ساتھ دیا (جیسے شام) جو اس کے کیمپ میں تھے ۔ نہ امریکہ نے ان ملکوں کا ساتھ دیا جو اس کی حفاظتی چھتری کے نیچے تھے اور انہوں نے اس کو اپنے مفادات کا محافظ اور اپنے وجود و بقا کا ضامن سمجھا تھا بلکہ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اسرائیل اس کا سدھایا ہوا کُتّا (کلب معلّم) ہے جو اپنے مالک کے اشارے و اجازت بلکہ حکم سے شکار پر دوڑتا ہے ۔ اور اس کو مار کر اس کے قدموں پر ڈال دیتا ہے ۔ جدید معلومات و بیانات نے ثابت کردیا کہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے امریکہ کے علم میں تھا ۔ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس سب سے بڑے متمدن و ترقی یافتہ ملک کے ضمیر میں جو جانوروں اور پرندوں کی تکلیف بھی نہیں دیکھ سکتا مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ اسرائیل اور مارونیوں کی اس بربریت نے کوئی حرکت اور اثر پیدا نہیں کیا اور وہاں اس کے خلاف اتنے بھی مظاہرے نہیں ہوئے جتنے خود اسرائیل میں ہوئے ۔

یہ بھی ثابت ہوگیا کہ امریکہ لبنان کو مشرق وسطیٰ اور عربی دنیا میں اسی طرح اپنی چوکی اور ایک ایسی علٰیحدہ غیرمسلم (عیسائی) ریاست بنانا چاہتا ہے جو اس کے مفادات کی محافظ اور اس کی ایجنٹ ہو ۔ ٹھیک جن مقاصد کے تحت برطانیہ نے عالم عربی کے قلب میں اسرائیل کو قائم کیا اور وہ اس وقت کے عرب حکمرانوں کی ضمیر فروشی، بے حمیتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب ہوگیا ۔ جنہوں نے اس کے منشا کی تکمیل میں اپنے حقیر و محدود مقاصد کی خاطر کوئی سنجیدہ اور باعزم مزاحمت نہیں کی، بلکہ اپنی پبلک کو دھوکا دینے کے لئے جنگ کا ایک ڈرامہ کھیلا جس میں ان کو صرف اتنا ہی کردار ادا کرنا تھا جس کی ان کے اولیائے نعمت کی طرف سے اجازت یا مقصد برآری کے لئے ضرورت تھی ۔

راقم الحروف کو اپنے ۱۹۵۱ء کے سفر بیت المقدس میں معتبر راویوں اور چشم دید گواہوں کے ذریعہ (جنہوں نے تنہائیوں میں رو رو کر یہ داستان غم سنائی تھی) ان حقائق کا یقینی علم ہے اور وہ اپنے سفرنامہ اور روزنامچے (مشرق وسطیٰ کی ڈائری) میں ان حقائق کا اظہار کرچکے ہیں ۔ ان حقائق کے ساتھ جن کا تعلق بیرونی طاقتوں، حملہ آور تنظیموں اور ان کا ساتھ دینے والوں سے ہے اس حقیقت کا بھی علم و انکشاف اور اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اس المیہ اور قیامت خیز واقعہ کے موقع پر جس کے سامنے

تمام مسلمانوں کی گردنیں جھک گئیں اور ان کو دنیا کے ہر حصہ میں اپنی ذلت و ہزیمت کا احساس ہوا۔ عالم اسلام کی جس بے بسی اور عالم عربی کی جس بے حمیتی و بے حسی کا اظہار ہوا جس سے ان دونوں کو کلیتہً بری نہیں قرار دیا جا سکتا اس کی اصل ذمہ داری مشرق وسطیٰ کی عرب حکومتوں پر ہے۔ مسلم و عرب عوام (جیسا کہ مجھے خاص ذرائع سے معلوم ہے اس وقت سخت روحانی کرب اور قلبی اذیت میں مبتلا ہیں لیکن پچھلے واقعات کے نتیجہ میں اور بڑی طاقتوں کے اشارے و مشورے پر ان کو بالکل بے بس بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت بھی مشرق وسطیٰ میں ایسے بڑے طاقتور مسلم عرب ملک ہیں جو تنہا اسرائیل کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ساری طاقت، صلاحیت و ذہانت اپنے ہی نوعوں اور باشندگان ملک کے دینی جذبات، اسلامی حمیت اور اظہار خیال کی آزادی اور ایک بہتر اسلامی معاشرہ اور اسلامی زندگی کی خواہش و مطالعہ کو کچلنے اور ہمیشہ کے لئے ان سے خلاصی حاصل کر لینے میں صرف ہو رہی ہے۔ اور اصل میدان جنگ اور معرکہ ان حکومتوں اور قوموں کے درمیان ہے جو ایک طرف اس کی فرصت نہیں دیتا کہ وہ مشترک خطرے کی طرف توجہ کر سکیں۔ دوسرے انہوں نے اس طاقت ہی کو کمزور و مجبور کر دیا جو حق و باطل اور انصاف و ظلم کی اس جنگ میں ان کے کام آتی اور اپنے جذبہ ایمانی اور سرفروشی و جان سپاری سے وہ نمونہ پیش کرتی جو قرون اولیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں اور جس کا تھوڑا سا نمونہ ۴۸-۱۹۴۷ء میں انہوں نے عرب و اسرائیل کی جنگ میں فلسطین کے میدان میں دیکھا تھا پھر ان حکومتوں کے ساتھ مختلف درآمد کئے ہوئے فلسفوں اور ذاتی اغراض کی بنا پر اختلاف و انتشار کی وہ علت لگی ہوئی ہے جس کو صرف وحدت اسلامی، جذبہ ایمانی یا مشترک دشمن کے خطرے کا شدید احساس ہی دور کر سکتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ ان عرب حکومتوں میں اور ان ملکوں میں جنہوں نے قومیت اشتراکیت اور البعث العربی کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے بلند کر رکھے ہیں۔ متحد کرنے والی طاقتوں کا یکسر فقدان ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ایک المناک حقیقت ہے کہ جو ممالک نسبتہً ان درآمدہ فلسفوں سے بچے ہوئے ہیں ان کو دولت کی بہتات اور عیش و تنعم گھن کی طرح کھا چکا ہے۔ اور اس نے ان کو کسی مہم جوئی، جفاکشی اور سرفروشی کے قابل نہیں رکھا ان کو تو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ امریکی کمپنیوں اور مال کا مقاطعہ کر کے امریکہ کے طرز عمل سے اپنی بیزاری یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس طاقت میں تشویش کی حد تک انحطاط و زوال پیدا ہو چکا ہے جس کو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ولا تھنوا فی ابتغاء القوم۔ ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون۔ و ترجون من اللہ مالا یرجون	اور دشمنوں کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔ اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں۔ اور تم

(النساء - ۱۰۴) خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے

جس طاقت اور جذبہ ایمانی کے مظاہر قرون اولیٰ کے مسلمانوں۔ درمیانی وقتوں کے جاں بازوں اور تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) کے وسط میں حضرت سید احمد شہیدؒ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے تربیت کئے ہوئے ساتھیوں میں نظر آتے۔ افسوس ہے کہ سید صاحب کی تحریک کے بعد ڈیڑھ سو برس سے اس جذبہ ایمانی اور جذبہ قربانی کو زندہ کرنے کی کوئی مؤثر اور منظم دعوت (کسی قدر مصر کے اخوان کو مستثنیٰ کر کے) سامنے نہیں آئی۔ اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کی اس بے بسی، بے حمیتی اور بے حسی اور اسرائیل اور مارونی فرقے کی بے باکی اور بے پرواہی کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

آج سے ۹ یا ۱۰ سال پہلے ۱۹۷۳ء میں راقم سطور نے بیروت کے چند روزہ قیام کے بعد اپنے سفرنامہ (دریائے کابل سے دریائے یرموک تک) میں ان احساسات اور خطرات کا اظہار کیا تھا جو اب واقعہ بن کر سامنے آ گئے۔ مصنف کو اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ فلسطینی مجاہدین اور پناہ گزین بیروت میں ناخواندہ مہمان کی طرح مقیم ہیں اور وہاں کی عیسائی آبادی اور حکومت نے ان کو دل سے قبول نہیں کیا ہے اور کئی بار فلسطینیوں اور لبنانی فوج میں جھڑپیں ہوئیں۔ یہاں پر اس اقتباس کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

"(۳۰ جولائی ۷۳ء کو) ہم فدائین کے مرکز سے گذرے جہاں لبنانی فوج اور فدائین کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ متقابل مذہبی جذبات اور متصادم سیاسی اغراض نے اس معرکہ میں کیا کردار ادا کیا ہے ملک کی زندگی اور آبادی کے مختلف عناصر کے باہمی تعلقات پر اس جنگ کا کتنا گہرا اثر ہے۔ عمارتوں کی دیواروں میں گولیوں اور بموں کے نشان اور لوگوں کے دلوں میں ان کے ناسور دیکھے۔ پناہ گزینوں اور فلسطینیوں کا مسئلہ جس پیچیدگی، ابہام اور تضاد کا شکار ہے جس کی نظیر موجودہ دنیا کے دوسرے مسائل میں ملنا مشکل ہے۔ اس کے سمجھنے میں مدد ملی۔

اس علاقہ سے بھی ہمارا گذر ہوا جہاں فلسطینی پناہ گزیں رہتے ہیں۔ اس علاقہ میں افلاس، پسماندگی، گندگی اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی، بے اعتمادی اور موجودہ حالات سے بیزاری عام ہے۔ یہ تمام چیزیں اس ملک کے لئے نہیں پوری عرب دنیا کیلئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ صورت حال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی خواہ اس کے دور کرنے میں کتنا ہی وقت لگے۔ اور اس پر پردہ ڈالنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے ۔۔ دوسری طرف پورا ملک زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور ہر جگہ دولت کی ریل پیل ہے" (ص ۱۳۴) ۔۔۔۔ خدا کرے یہ واقعہ جس نے سارے عالم اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے عالم اسلام بالخصوص عالم عربی کی قیادتوں کے اتحاد اور مسلمانوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور نئی بیداری اور تیاری کا سبب بن جائے کہ اس سے کم درجہ کی چیز سے تلافی نہیں ہو سکتی کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد ❖

از جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب
چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل۔ پاکستان

اسلام ——— اور ——— سود

لفظ ربا کی حقیقت ربا کے لفظی معنی "زیادتی" کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں ربا اس زائد رقم کا نام ہے جو قرض خواہ اپنے مقروض سے مہلت کے معاوضے میں وصول کرتا ہے۔ چنانچہ امام طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے تفسیر طبری (جلد ۳ صہ ۶۷) میں آیت قرآنی " احل اللہ البیع وحرم الربٰو " کی تفسیر میں لکھا ہے:-

"ربا وہ زیادتی (مالی) ہے جو سرمایہ دار اپنے مقروض کو قرض کی ادائیگی کی مہلت دے کر حاصل کرتا ہے۔"

ابن عربی نے احکام القرآن جلد ۱ صہ ۱۰۳ میں ربا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:-

" ربا ہر ایسی زیادتی کا نام ہے جس کے مقابلے میں مال کا عوض نہ ہو"

یہی تعریف صاحب ہدایہ برہان الدین المرغینانی نے بھی کی ہے۔ (الہدایہ جلد ۳ کتاب البیوع۔ فصل الربٰو ص ۶۱)
امام فخرالدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) اپنی مشہور تصنیف تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ

"ربا کے معنی زیادتی کے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر طرح کی زیادتی وصول کرنا حرام ہے بلکہ ربا کی جو حرمت ہے وہ ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جو عربوں میں " ربٰو " کے نام سے موسوم اور معروف و مشہور تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے اس سے یہی " ربا نسیہ " (ادھار) مراد ہے جو عربوں میں موسوم تھا۔"

ربا کی مندرجہ بالا تعریفات سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ربا مطلق زیادتی کو نہیں کہتے۔ بلکہ شریعت میں ایک خاص قسم کی زیادتی کو " ربا " کہتے ہیں ورنہ جتنی تجارتیں ہیں ان میں زیادتی ہوتی ہے، نفع ہوتا ہے۔ ربا (سود) قرض کی واپسی میں مدت مقررہ کا معاوضہ ہے اور یہ مدت چونکہ مال نہیں ہے لہٰذا اس مدت کا عوض ناجائز قرار دیا گیا ہے خواہ وہ روپے کی صورت میں ہو یا کسی شے کی صورت میں۔ بالفاظ دیگر معاملات کے پس منظر میں جب تک "مال" رہتا ہے وہ سود نہیں ہوتا مگر جب ایک طرف روپیہ اور دوسری طرف مال سے خالی محض مہلت کا عوض ہوتا ہے تو وہ سود ہو جاتا ہے۔

اردو زبان میں "ربا" کے معنی سود سے کئے گئے ہیں عربی زبان میں "ربا" اور اردو زبان میں "سود" کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اختلاف کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ شے کی حقیقت اور ماہیت بدل جائے۔ یہاں خواہ لفظ "ربا" بولتے یا "سود" اس شے کی حقیقت نہیں بدلتی جو ہمارے درمیان رائج اور معلوم ہے۔

ہر معنی اپنی اصل میں "زیادتی" کے پہلو کو لئے ہوئے ہے۔ یہ تو مقامات یعنی سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵ (تین بار) آیت ۲۷۶ دوبار۔ آیت ۲۷۸، سورہ آل عمران آیت ۱۳۰۔ سورہ النساء آیت ۱۶۱۔ سورہ الروم آیت ۳۹ (دوسری بار) پر لفظ ربوا اپنے معروف معنی میں استعمال ہوا ہے جو اہلِ عرب میں رائج تھا۔ اور جس کا ترجمہ ہم سود کرتے ہیں جو ہم مسلمانوں میں اچھی طرح معروف اور عام ہے۔ سود کی حرمت کے بارے میں حسب ذیل آیات صریح نص ہیں۔ (ترجمہ)

- جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر، یہ حالت ان کی اس واسطے ہو گی کہ انہوں نے کہا کہ خرید و فروخت بھی تو ایسی ہے جیسے سود لینا۔ حالاں کہ اللہ نے حلال کیا ہے تجارت کو اور حرام کیا ہے سود کو (بقرہ آیت ۲۷۵)
- اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گناہ گار سے خوش نہیں (بقرہ ۲۷۶)
- اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو۔ (بقرہ ۲۷۸)
- اے ایمان والو! مت کھاؤ سود، دونے پر دونا۔ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ (آل عمران ۱۳۰)
- سو! یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سی پاک چیزیں، جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے، جو ان میں ہیں دردناک عذاب (النساء ۱۶۰، ۱۶۱)
- اور جو تم دیتے ہو سود پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں، سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں، اور جو تم دیتے ہو زکوٰۃ سے اللہ کی رضامندی چاہ کر، سو یہ وہی ہے جن کے دونے ہوتے"

قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات ربا کے مجموعی مطالعے سے جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ربا کی حقیقت بیان نہیں فرمائی بلکہ اس بارے میں عرب میں جو صورت رائج تھی اس کے سیاق و سباق میں لفظ ربا استعمال کرنے پر اکتفا کیا۔ کیونکہ وہ لوگ خرید و فروخت کرتے تھے اور مقررہ مدت کے لئے سودی قرض دیتے تھے۔ قرآن مجید میں انتہائی تہدید کے طور پر اس طرح خطاب کیا گیا ہے کہ یا تو وہ اس سے باز آجائیں یا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:-

اے ایمان والو! اگر تم مومن ہو تو کچھ سود مقروض کے ذمہ تمہارا باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، معاف کر دو۔ اور اگر تم نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے تمہارا اصل مال نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔ (البقرہ ۲۷۹)

قرآن مجید میں سود کے ممانعت کے بارے میں پہلے ایک حکم دیا گیا جو اپنی جگہ قائم رہا۔ دوسرے حکم کے ذریعے اس کی تکمیل کی گئی۔ چونکہ عرب میں سودخوری عام تھی۔ سرمایہ داروں کا دعویٰ تھا کہ سود بھی تو ایک طرح کا لین دین ہے جس میں روپے کی تجارت ہوتی ہے۔ چنانچہ سرمایہ داروں کے اس زعم باطل کی تردید کی گئی۔ سود تجارت جیسی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ پہلی شریعت یہود میں سود کی ممانعت کا ذکر کیا گیا اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ "اے مسلمانو! سود در سود نہ کھاؤ"۔ اس کے بعد سودی کاروبار کی مکمل تحریم کا حکم دیا گیا کہ سود کی بابت جو بھی تمہارا مطالبہ لوگوں کے ذمے ہے اسے چھوڑ دو اور صرف اصل رقم لینے پر اکتفا کرو۔ اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دو اور اگر سمجھو تو اصل قرضہ بھی معاف کر دو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

ربوٰ فی الحدیث | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سود کے سلسلے میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سودی کاروبار، اور سودی دستاویز وغیرہ لکھنے والوں کو مجرم قرار دیا ہے ایک اور حدیث میں سود لینے والے اور دینے والے اور سودی دستاویز لکھنے والے اور معاملہ سود کی گواہی دینے والے پر لعنت کی اور فرمایا کہ یہ تمام لوگ گناہ کے ارتکاب میں برابر ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں یہ اعلان کیا کہ ہر قسم کا سود ساقط ہے۔ البتہ اصل رقم تمہاری ہے اور وہ تمہیں ملنی چاہیئے تاکہ نہ تم پر ظلم ہو اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرسکو۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود قطعی ساقط ہے اور میں عباس بن مطلب کے سود سے آغاز کرتا ہوں جو قطعی ساقط ہے۔

اس خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف ہر قسم کے سودی کاروبار کی ممانعت کا قطعی اعلان فرما دیا بلکہ خود اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے ان کی تمام سود کی رقم کو ساقط قرار دے دیا۔ (واضح رہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن مطلب کا روپیہ جو وہ سود پر چلاتے تھے بے شمار لوگوں پر واجب تھا۔

تبادلہ اشیاء میں سود | سودی کاروبار کی یہ صورت جو سود پر روپے کے لین دین سے متعلق تھی نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں عام تھی اور پچھلی شریعتوں میں بھی حرام اور ممنوع تھی۔ لیکن عرب میں ربا کی ایک صورت تبادلہ اشیاء کے ذریعے بھی پائی جاتی تھی۔ وہ یہ کہ ایک شخص مثلاً ایک من گندم قرض لیتا اور مدت گذر جانے پر اس کے

عوض دو من گیہوں واپس کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث کے ذریعہ اس قسم کی معاملت کو بھی حرام اور ممنوع قرار دیا جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سود صرف روپے کے لین دین تک ہی محدود نہیں بلکہ ہم جنس اشیاء کے تبادلے کی صورت میں بھی سود کا اطلاق ہوگا۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سونا سونے سے بدلنا اور چاندی چاندی سے بدلنا اور گیہوں گیہوں سے بدلنا۔ اور جَو جَو سے بدلنا۔ اور کھجور کھجور سے بدلنا۔ اور نمک نمک سے بدلنا برابر اور دست بدست ہو تو جائز ہے۔ مگر زیادتی، ادھار یا نقد کے ذریعہ جائز نہیں۔ البتہ شے کی جنس اور صنف بدل جانے کی صورت میں زیادتی کے ساتھ دست بدست فروخت جائز ہوگی۔ مثلاً ایک من گیہوں کے بدلے دو من جَو لینا۔ اس حدیث کے ذریعے اس طریقے کی بھی ممانعت کردی گئی جو عرب کے حالات کے لحاظ سے خاص تھا۔ ہمارے فقہا نے اس اصول کی روشنی میں ہم جنس اور ہم صنف اشیاء کا تبادلہ زیادتی کے ساتھ ہونے کی صورت میں سود میں داخل کردیا ہے۔

یہ ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں ربا کی حقیقت جس کی مزید تائید میں قبل از اسلام عرب تمدن کی تاریخ اور کتب حدیث، سیر اور تواریخ سے بیسیوں واقعات اور شواہد موجود ہیں۔

پاکستان دارالاسلام ہے | فقہی تفصیلات سے قطع نظر دارالاسلام اور دارالحرب کے بارے میں جو موٹی سی بات سب کی سمجھ میں آجانی چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ دارالاسلام اس دار (ملک) کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو غلبہ اور تسلط حاصل ہو اور جہاں غلبہ اور تسلط حاصل نہ ہو شرعی اصطلاح میں وہ دارالاسلام نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ پاکستان کو جہاں مسلمانوں کی عظیم اکثریت بستی ہے اور جہاں اسلامی قوانین کے نفاذ میں کوئی امر مانع موجود نہیں، دارالاسلام ہے۔ یہاں اسلامی قوانین کو بالفعل یا بالقوہ نافذ کیا جاسکتا ہے اور غیر مسلم رعایا اپنے مذہبی امور پر عمل کرنے میں اسلامی مملکت کی اجازت کی محتاج ہے۔ اس لئے پاکستان دارالاسلام ہے۔ یہاں سود کی حلت یا رخصت کے سلسلہ میں کسی قسم کی گنجائش کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

سود اور اسلامی مملکت کے غیر مسلم شہری | بلکہ یہاں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ سود نہ صرف اسلامی مملکت کے مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے بلکہ اسلامی مملکت کے غیر مسلم شہریوں کے لئے بھی ممنوع ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کو جو فرمان عطا فرمایا تھا اور جس کے ذریعے ان ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی تھی اس فرمان میں خاص طور پر یہ پابندی لگادی گئی تھی کہ وہ سود نہیں کھائیں گے اور "جو بھی آئندہ سود لے گا وہ میری ذمہ داری امن و امان سے خارج ہوجائے گا" (ملاحظہ ہو کتاب الاموال، امام ابو عبیدہ القاسم بن السلام متوفی ۲۲۴ھ صفحہ ۱۸۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس معاہدے کو برقرار رکھا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ

خلیفہ ہوئے تو اہل نجران نے سودی کاروبار پھر شروع کر دیا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اہل نجران کو جلا وطن کر دیا۔ مبادا مسلم معاشرہ سودی کاروبار کی لعنت میں مبتلا ہو جائے۔

سود ایک عالمگیر لعنت ہے | سودی کاروبار کی مخالفت صرف اسلام ہی نے نہیں کی بلکہ قدیم یونانی مفکرین نے بھی سود کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ارسطو نے روپے کو ایسی مرغی سے تشبیہ دی ہے جو انڈے نہیں دیتی کہ صرف روپیہ روپے کو پیدا نہیں کر سکتا۔ قانون روما کے واضعین بھی سود کو برا سمجھتے تھے۔ ہندو اور یہودی مصلحین بھی سود کو ناپاک خیال کرتے ہیں۔ تورات اور زبور میں سود کو حرام قرار دیا گیا تھا اور عیسائی عالموں نے بھی تورات کی پیروی میں سود کو ممنوع قرار دیا تھا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف ریلجین عنوان USURY

عہد جدید کا مفکر کارل مارکس جو جدید اشتراکی فلسفہ کا بانی ہے اپنی مشہور کتاب داس کیپیٹال (جلد ۲ ص ۶۵۲) میں لکھتا ہے کہ سود خوار ایک زبردست شیطان ہے۔ وہ ایک بھیڑیا صفت انسان ہے جو ہر شئے کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ جب ہم چوروں، ڈاکوؤں اور لقب زنوں کی گردن مارتے ہیں تو پھر اسی طرح تمام سود خوار بھی گردن زدنی ہیں۔

اطباء کا یہ قاعدہ ہے کہ جب جسم میں فاسد مادہ جمع ہو جاتا ہے تو نشتر دے کر اسے باہر نکالا جاتا ہے۔ ورنہ صاف بھی گدلا ہو جائے گا۔ ملک کی معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا ہے تو سودی نظام سے نجات حاصل کرنا ہوگی پرانی بنیادوں پر نئی عمارت تعمیر نہیں ہو سکتی۔ سارا جسم گل سڑ چکا ہے۔ محض پیوند کاری سے کام نہیں چلے گا۔

المختصر یہ کہ قرض (دین) پر زیادتی (سود) حرام ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت خواہ وہ صرف کرنے کے لئے ہو یا تجارتی اغراض کے لئے۔ اسلام میں ربا کا حرام ہونا اسلام کے اقتصادی، اجتماعی نظام کے قیام کے لئے ہے جس کی بنیاد سماجی عدل پر ہے۔ موجودہ اقتصادی نظام ربا (سود) کے فاسد نظام پر قائم ہے۔ ہم سب پر لازم ہے کہ اس کو چھوڑیں اور قرآن و سنّت کے اقتصادی نظام کی پیروی کریں۔ اللہ رب العزت کا وعدہ ہے:

"جو اللہ رب العزت سے ڈرتا ہے اللہ رب العزت اس کے لئے کشادگی کا راستہ کھول دیتے ہیں اور اس شخص کو بے اندازہ و بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں (سورۃ ۶۵۔ آیت ۲) یوں تو ہم سب اللہ کو رازق مانتے ہیں اور کہتے ہیں مگر جب ملک سے سود ختم کرنے کی بات کی جاتی ہے تو یہی لوگ کہتے ہیں کہ ملک کی معیشت تباہ ہو جائے گی۔

جدید معاشیین کا نقطہ نظر | نہ صرف اسلام بلکہ عصر حاضر کے غیر مسلم معاشی ماہرین بھی سود کی ممانعت کے قائل ہیں۔ چنانچہ لارڈ کینز نے (جو پہلے کیمرج کے پروفیسر معاشیات تھے اور جنگ دوم عظیم کے بعد حکومت برطانیہ کے مشیر معاشیات بنے) یہاں تک لکھا ہے کہ "دنیا کی تمام معاشی برائیاں حتیٰ کہ بے روزگاری بھی سود خوری کی وجہ سے ہے جس قوم میں سود کی شرح جتنی کم ہو گی اس کی تہذیب و تمدن اتنا ہی بلند اور مستحکم ہو گا"

لارڈ کینز اس نظریے کے بھی قائل ہیں کہ " اگر اصل زر کی افراط ہو جائے تو بالآخر سود کی شکل میں معاوضہ باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا عملی طور پر ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ اصل زر کی مقدار میں اس قدر اضافہ کیا جائے کہ بیکار بیٹھ کر روپیہ لگانے والے کو سود کی شکل میں زیادہ منافع نہ ملے "۔ چنانچہ لارڈ کینز کا بیان ہے کہ " ایک ایسا منضبط معاشرہ جس کے پاس جدید عہد کے فنی وسائل موجود ہوں اور جس کی آبادی میں تیزی کے ساتھ اضافہ نہ ہو رہا ہو ایک ہی نسل (GENERATION) میں شرح سود کو صفر تک گھٹایا جا سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو لارڈ کینز کی کتاب " جنرل تھیوری آف ایمپلائمنٹ، انٹرسٹ اینڈ منی " چنانچہ لارڈ کینز کے کہنے کے مطابق سود ختم ہونے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بہت سی برائیوں سے معاشرے کو چھٹکارا مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی کی جمع کی ہوئی دولت سے شرح سود وابستہ نہ رہے تو اس سے عظیم معاشرتی تبدیلیاں وجود میں آئیں گی۔ اور ہمارے ملک میں سودی نظام سے والہانہ وابستگی اور غلط معاشی پالیسیوں کی وجہ سے صورت حال یہ ہے کہ جب پاکستان بنا تو شرح سود چار فی صد تھی اور آج دس فیصد ہے۔ پہلے صرف کروڑوں روپیہ سودی کاروبار میں مشغول تھا اور اب اربوں روپیہ سودی کاروبار میں مشغول ہے اور اسی نسبت سے ہماری معاشی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

سرمایہ داری اور اسلام عہد حاضر میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان معرکہ آرائی جاری ہے دونوں نظام اپنی اپنی جگہ انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کے حامل ہیں لیکن اسلام اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔ جو فطرت سے قریب تر ہے اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ نظام کی برائیوں سے پاک اور اشتراکیت کے ظلم و جبر سے مبرا سماجی عدل و مساوات پر قائم ہے۔ مشہور محقق محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (مقیم پیرس) نے عرصہ ہوا، اپنے ایک مضمون میں ایک فرانسیسی پروفیسر موسیو لوئی ماسین نون کا ایک قول نقل کیا تھا کہ " سرمایہ داری اور اشتراکیت کے تصادم میں تہذیب اور تمدن کا مستقبل محفوظ اور درخشاں رہے گا جو سود کو ناجائز قرار دے کر اس پر عمل بھی کر رہا ہو "۔

میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس قول میں " اشتراکیت " کے لفظ کو " اسلام " سے بدل دوں جس کے معاشی نظام میں چودہ سو سال پہلے ربا (سود) کے تمام دروازے بند کر کے سود کے ریشے تک نکال دئے گئے ہیں۔ سوال صرف عمل کرنے اور عمل کرانے کا ہے۔ اگر ایک طرف ہم میں سے ہر مسلمان یہ تہیہ کرے کہ

" بس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی بے چون وچرا تعمیل میں نہ سود لوں گا اور نہ سود دوں گا۔ اور ہماری " اسلامی " حکومتیں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر پورے یقین و اعتماد سے کام لے کر سودی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں تو انشاء اللہ اسلامی تہذیب کا مستقبل محفوظ درخشاں اور تابناک ہو گا ؎

Adarts CAR-6/80

کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰۰ لان
صنم ڈیلکس پاپلین
پارل کارڈ
سوٹنگ
دلکش
دلنشیں
دلفریب
حُسین کے
پارچہ جات
حُسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حُسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

SOHRAB
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ،
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

پروفیسر محمد اسلم صاحب ۔ لاہور

لکھنؤ سے بنارس تک

۲۲ر اگست ۱۹۹۱ء کی ایک سہانی صبح میں لکھنؤ سے بذریعہ بس رائے بریلی روانہ ہوا۔ لکھنؤ سے رائے بریلی کا فاصلہ ۶۶ کلومیٹر ہے۔ اور وہاں تک پہنچنے پہنچتے دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ بس اسٹینڈ پر مجھے ایک مسلمان رکشا ڈرائیور مل گیا۔ میں نے اس سے "تکیہ" کا اتہ پتہ پوچھا تو اس نے کہا "آپ مولانا علی میاں کے ہاں جائیے گا؟" میں نے اثبات میں جواب دیا اور بے فکر ہو کر رکشا پر سوار ہو گیا۔

بس اسٹینڈ سے "تکیہ" کا فاصلہ تین کلومیٹر کے لگ بھگ ہے۔ مقامی لوگ اسے بڑا تکیہ کہہ کر پکارتے ہیں میونسپل کمیٹی رائے بریلی نے مولانا علی میاں کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قلعہ بازار سے تکیہ تک جانے والی سڑک کا نام سیّد مولانا ابوالحسن ندوی عرف علی میاں مارگ — رکھ دیا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رائے بریلی کے غیر مسلم بھی مولانا صاحب کا احترام کرتے ہیں۔

یہ سڑک سرسبز و شاداب کھیتوں سے گذرتی ہوئی تکیہ کی طرف جاتی ہے۔ سڑک کے دونوں طرف امرود کے پیڑ اور دھان کے کھیت نظر آتے ہیں۔ تکیہ سے ذرا پہلے میدان پور نام کی ایک مختصر سی آبادی آتی ہے وہاں ضیاء العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہے۔ جسے ندوۃ العلماء کے منتظمین چلا رہے ہیں۔

تکیہ میں گنتی کے چار پانچ مکان ہیں۔ اور ان میں سب سے نمایاں مکان مولانا علی میاں کا ہے۔ موصوف خود زیادہ وقت لکھنؤ میں گذارتے ہیں اور یہاں ان کی اہلیہ محترمہ رہتی ہیں۔ ان کے گھر سے متصل ان کے برادر بزرگ ڈاکٹر حکیم عبدالعلی مرحوم کا مکان ہے جہاں ان دنوں ان کے پوتے قیام پذیر ہیں۔

اسی بابرکت تکیہ میں ۱۷۸۶ء میں حضرت سیّد احمد بریلوی رحمہ اللہ پیدا ہوئے تھے اور یہیں ان کا بچپن گذرا تھا۔ جس مکان میں سید صاحب پیدا ہوئے تھے وہ اب موجود نہیں اور اب وہاں ایک نیا مکان بن گیا ہے۔ اتفاق سے مجھے ڈاکٹر عبدالعلی کا ایک پوتا مل گیا اور اس نے مجھے تکیہ کی تمام اہم جگہیں دکھائیں۔

ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم کے مکان سے چند قدم کے فاصلے پر چھوٹی اینٹوں کی ایک مختصر سی چار دیواری ہے

جس کے اندر دس بارہ قبروں کے نشان نظر آتے ہیں۔ ان میں سے کوئی قبر بھی نصف بالشت سے اونچی نہیں ہے اسی چار دیواری کے اندر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ اعظم حضرت آدم بنوریؒ کے مرید و مجاز شاہ علم اللہ رحمہ اللہ محو خواب ابدی ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے روایت ہے کہ جیسے انوار اس چار دیواری کے اندر نظر آتے ہیں ویسے انوار صرف "تھاری" ہیں اس حجرہ کے اندر دکھائی دیتے ہیں جس میں سید الطائفہ میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ رہا کرتے تھے۔ یہ بڑی بابرکت جگہ ہے۔ سید آدم بنوریؒ سے جو سلسلہ احسنیہ چلا ہے۔ یہ دائرہ اس نسبت کے انوار کا مظہر ہے۔

دائرہ شاہ علم اللہ رحمہ اللہ کے بالمقابل پرانے وقتوں کی ایک مسجد ہے جس میں بڑے بڑے بزرگوں نے اپنے رب کے حضور میں سجدے کئے ہیں۔ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ بھی اسی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ راقم الحروف نے حصول برکت کے لئے وہاں دوگانہ ادا کیا اور دائرہ میں مدفون حضرات کے لئے دعائے مغفرت کی۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک ندی بہتی ہے جسے "سیری" کہتے ہیں۔ اسی ندی کے پانی سے سید احمد بریلویؒ وضو کیا کرتے تھے۔

میں مسجد سے نکل کر مولانا علی میاں کے مکان کی طرف آیا۔ ان کے مکان کے سامنے مہمان خانہ ہے جہاں اس وقت چار پانچ حضرات تشریف فرما تھے۔ ایک نوجوان نے مجھ سے میرا نام پوچھا۔ میرا جواب سن کر اس نے کہا۔

" مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے بھی آپ کا تعلق ہے؟" میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا کہ اس نے مولانا ابوالعرفان ندوی سے میری تصنیف "سرمایۂ عمر" لے کر پڑھی ہے اور ماہنامہ بینات کراچی میں جشن دیوبند کے بارے میں میرے تاثرات بھی پڑھے ہیں۔ اس نوجوان نے چائے کی پیش کش کی لیکن میں اس وقت عجلت میں تھا اس لئے اس کی دعوت قبول نہ کر سکا۔

رائے بریلی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا تناسب برابر ہے۔ شہر میں جا بجا پرانی مسجدیں موجود ہیں۔ "قلعہ بازار کی مسجد" خاص طور پر قابل دید ہے۔ شہر میں آثار قدیمہ بھی موجود ہیں اور بزرگوں کے مقبرے بھی۔ وہاں کی فضا پر سید صاحبؒ کے انفاس طیبہ کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

رائے بریلی سے میں بذریعہ ٹرین امیٹھی روانہ ہوا۔ دونوں شہروں کے درمیان ۶۱ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ رائے بریلی کے بعد تیسرا ریلوے اسٹیشن جائس ہے جو ملک محمد جائسی صاحب پدماوت کی وجہ سے مشہور ہے۔ جائس کے بعد چوتھا اسٹیشن امیٹھی ہے۔ میں اسٹیشن سے باہر نکلا تو وہاں دو تین رکشے کھڑے تھے۔ میں ایک رکشا ڈرائیور کو مسلمان سمجھ کر اس کے رکشا میں سوار ہو گیا۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہندو ہے) میں نے اسے درگاہ پر چلنے کو کہا۔ اس نے جواب دیا کہ امیٹھی میں کوئی درگاہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یہاں حضرت نظام الدین امیٹھی والےؒ کی درگاہ ہے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تو میں نے اسے شہر کی طرف چلنے کو کہا۔ جب ہم بازار پہنچے تو اس وقت ظہر کی

نماز ہو چکی تھی اور نمازی جامع مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ میں نے رکشا ڈرائیور سے کہا کہ وہ ان سے دریافت کرے کہ حضرت نظام الدین کی درگاہ کہاں ہے؟ جب نمازیوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو میں نے کہا کہ اکبر کے عہد میں حضرت نظام الدین امیٹھی وال بہت بڑے بزرگ ہو گذرے ہیں۔ اور اورنگ زیب عالمگیر کے استاد ملا احمد جیون ان کی اولاد سے تھے۔ تعجب ہے کہ آپ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

اس پر ایک نمازی نے ذرا سوچ کر کہا۔ کہیں آپ بندگی نظام الدینؒ کا مزار تو تلاش نہیں کر رہا؟ میرے جواب دینے پر اس نے کہا کہ میں غلط جگہ پر آ گیا ہوں۔ جس امیٹھی میں ان کی درگاہ ہے وہ ضلع لکھنؤ میں ہے اور یہ امیٹھی جہاں میں آ گیا ہوں ضلع سلطان پور میں ہے۔ ایک نمازی نے کہا کہ وہاں سے چار کلو میٹر کے فاصلہ پر رام نگر میں ملک محمد جائسی کی درگاہ ہے اور وہاں تک پختہ سڑک جاتی ہے۔ یہ انکشاف میرے لئے باعث مسرت تھا۔ میں نے رکشا ڈرائیور سے بات کی تو اس نے کہا کہ وہ ایک روپیہ فی کلو میٹر لے گا۔ رام نگر کے راستے میں ہمیں بارش نے آ لیا۔ لیکن اس کے باوجود سفر جاری رہا اور ہم جلد ہی وہاں پہنچ گئے۔

رام نگر اسی نام کی ایک ریاست کی راجدھانی تھی۔ وہاں اب تک راؤ مادھو سنگھ کا محل اس ریاست کی گذشتہ عظمت یاد دلانے کو موجود ہے اس کے قریب ہی ایک مندر ہے جو کسی ستی ہونے والی رانی کی یاد میں تعمیر کیا گیا تھا۔

اب رام نگر ایک معمولی سا گاؤں نظر آتا ہے۔ آبادی کے آخری کنارے پر مسلمانوں کے چند گھر آباد ہیں اور وہاں ایک مسجد بھی موجود ہے جہاں آبادی ختم ہوتی ہے۔ وہیں ایک وسیع و عریض احاطے کے اندر ملک محمد جائسی کا مزار ہے۔ چار دیواری میں داخل ہونے کے لئے ایک عالیشان دروازے سے گذرنا ہوتا ہے اس دروازے کی پیشانی پر جلی حروف میں دیوناگری رسم الخط میں "سمادھ مہاکوی شری محمد جائسی رام نگر" لکھا ہوا ہے۔

احاطے کے وسط میں ایک بلند و بالا چبوترہ ہے اور اس کے وسط میں ایک اور چبوترہ بنایا گیا ہے۔ اس چبوترے پر محمد جائسی کی قبر ہے۔ جس وقت میں وہاں پہنچا اس وقت قبر پر سرخ رنگ کی چادر پڑی تھی اور اس پر یا اللہ اور یا محمدؐ کاڑھا ہوا تھا۔ قبر کے اوپر ایک چھتری بنی ہوئی ہے۔ جسے چھ ستون تھامے ہوئے ہیں۔

احاطے کی جنوبی سمت مسافروں کے قیام کے لیے ایک وسیع دالان تعمیر کیا گیا ہے۔ اور اس دالان کی پیشانی پر جو کتبہ لگایا گیا ہے اس پر یہ غلط سلط عبارت منقوش ہے۔

"حضرت ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر بارہ دری کا قیام عوام سے ۱۹۷۰ء میں پائے تکمیل کو پہنچا" (عوام اور سے کے درمیان" چندہ سے" بڑھا دینے سے عبارت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ پائے کو پایہ پڑھیں تو املا درست ہو جاتی ہے)

درگاہ کے ایک خادم سے معلوم ہوا کہ وہاں ۴ رجب کو ملک صاحب کا عرس منایا جاتا ہے اور قرب وجوار کے دیہات سے ان کے معتقدین وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔

رام نگر سے امیٹھی واپس آیا۔ اس وقت نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے جامع مسجد میں نماز ادا کی۔ یہ مسجد واقعی بڑی خوبصورت ہے۔ جامع مسجد سے رکشا میں سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا تو بنارس جانے والی پسنجر ٹرین تیار کھڑی تھی۔

امیٹھی سے بنارس کا فاصلہ ۱۶۳ کلومیٹر ہے۔ میں عصر کے وقت امیٹھی سے روانہ ہو کر رات بارہ بجے کے قریب بنارس پہنچا۔ اسٹیشن کے قریب کسی ہوٹل میں کوئی کمرہ خالی نہ تھا۔ ایک رکشا والے نے میری مدد کی اور وہ مجھے شہر کے ایک صاف ستھرے علاقے میں ایک نو تعمیر شدہ ہوٹل میں لے گیا۔ میں نے رات وہاں گذاری اور اگلی صبح ایک رکشا میں سوار ہو کر سمیرا گھاٹ پہنچا۔ بنارس میں گنگا کے ۴۸ گھاٹ ہیں اور سمیرا سب سے زیادہ مقدس مانا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ گنگا میں نہانے سے گناہ دھل جاتے ہیں۔

اس روز اتفاق سے جنم اشٹمی (کرشن چندر کا جنم دن) کا تہوار تھا اس لئے وہاں خوب رونق تھی۔ اہل ہنود بڑی عقیدت کے ساتھ گنگا میں اشنان کر رہے تھے۔ شیخ علی حزیں نے ایسا ہی منظر دیکھ کر کہا تھا ؎

پری رخان بنارس بصد کرشمہ و ناز ۔۔۔ پی پرستش مہدیو چوں کنند آہنگ

بہ گنگ غسل کنند و بہ سنگ پا مالند ۔۔۔ زہی شرافت سنگ و زہی لطافت گنگ

سمیرا گھاٹ سے میں اورنگ زیب عالمگیر کی مسجد دیکھنے گیا۔ یہ مسجد مندروں کے وسط میں ایک مندر کی بنیادوں پر ہی تعمیر کی گئی ہے اس مسمار شدہ مندر کے آثار اب بھی مسجد کی عقبی دیواریں دیکھے جا سکتے ہیں اور ہندو انہیں دیکھ کر اورنگ زیب کو کوستے ہیں۔ ادبی حلقوں میں یہ روایت زبان زد خلائق ہے کہ جب یہ مسجد تعمیر ہوئی تو سابقہ مندر کے پروہت نے اورنگ زیب کو یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

ببیں کرامت بت خانہ مرا اے شیخ ۔۔۔ کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد

مسجد کو جانے والا معروف راستہ ان داتا کے مندر میں سے ہو کر گذرتا ہے اور جب میں مندر کی طرف جانے والی گلی میں داخل ہوا تو ایک ہندو دکاندار نے مجھے جوتے اتارنے کو کہا۔ میں نے وہاں جوتے اتار دیئے۔ لیکن اس نے اصرار کیا کہ میں مندر میں چڑھانے کے لئے پھول ضرور خرید دوں۔ میرے انکار پر اس نے مجھے آگے جانے سے روک دیا۔

میں ۱۹۵۵ء کے اوائل میں بنارس آ چکا تھا۔ اس لئے مجھے معلوم تھا کہ مسجد کی طرف جانے کا ایک راستہ اور بھی ہے۔ میں نے پیچھے پلٹ کر وہ راستہ تلاش کرنا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں مسجد تک پہنچ گیا۔ مسجد کے

صحن میں ہر وقت پولیس گارد موجود رہتی ہے۔ یہ گارد میں نے ۱۹۵۵ء میں بھی دیکھی تھی۔ مسجد چونکہ چاروں طرف سے مندروں میں گھری ہوئی ہے اس لئے وہاں ہمیشہ فساد کا خطرہ رہتا ہے۔

یہ مسجد بڑی خوبصورت اور قابل دید ہے۔ مسجد کے دالان میں داخل ہونے کے لئے گیارہ دروازے بنائے گئے ہیں۔ ان دروازوں پر لوہے کی گرل لگا دی ہے اور فرش پر سفید چاندنیاں بچھا دی گئی ہیں۔ وہاں پنج وقتہ نماز کے علاوہ جمعہ بھی ہوتا ہے۔ مسجد کے ساتھ دو خوبصورت مینار بھی تعمیر کئے گئے ہیں جو دور دور سے نظر آتے ہیں۔

بنارس ہندوؤں کا بہت بڑا تیرتھ ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہاں مسلمانوں کی کافی آبادی ہے۔ اورنگ پورہ۔ للّہ پورہ۔ اور لہنگ پورہ مسلمانوں کے مشہور محلّے ہیں۔ میں نے ان محلوں میں "بڑا گوشت" کھلے بندوں فروخت ہوتے دیکھا ہے۔ ریوڑی تالاب پر اہل حدیث کا ایک بڑا مدرسہ ہے جو جامعہ محمدیہ کے نام سے مشہور ہے یہ مدرسہ بھارت میں اہل حدیث کی سب سے بڑی درسگاہ ہے

میرے لئے بنارس میں ایک اور بھی کشش کی جگہ تھی جسے میں پہلے سفر میں نہیں دیکھ سکا تھا۔ بنارس روانہ ہونے سے پہلے میں دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے استاد ڈاکٹر امیر حسن عابدی سے ملا تھا۔ اور ان سے شیخ علی حزیں کے مزار کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بنارس میں فاطمان نام کا ایک امام باڑہ ہے اور وہیں علی حزیں مدفون ہے۔

میں نے یکے بعد کئی رکشا والوں سے فاطمان چلنے کو کہا۔ لیکن وہ اس جگہ سے ناواقف تھے کوئی مسلمان رکشا والا مل نہیں رہا تھا جو میری رہنمائی کرتا۔ سمیر گھاٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے نئی سڑک پر ایک جگہ فاران ہوٹل کا نام پڑھا تھا۔ اس لئے میں اس ہوٹل کی طرف چل دیا۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے اس کے مالک سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو اس نے کہا کہ اس نام کا امام باڑہ للّہ پورہ میں موجود ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ کسی رکشا والے کو اس کا اتہ پتہ بتا دے جو مجھے وہاں پہنچا دے۔ اس بھلے مانس نے ایک رکشا والے کو فاطمان کا محل وقوع سمجھا دیا اور وہ مجھے وہاں لے گیا۔

یہ امام باڑہ ایک قبرستان میں واقع ہے اور شیعہ سنّی فساد کو روکنے کے لئے وہاں پولیس متعین رہتی ہے میں نے ایک سپاہی سے حزیں کی قبر کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے کہا کہ وہ اس سے واقف نہیں ہے۔ البتہ وہاں کے خدّام میری رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اتنے میں ایک خادم ادھر سے گزرا تو میں نے علی حزیں کی قبر کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے سوچ کر کہا "آپ شیخ حبین کی قبر کا پتہ پوچھتے ہیں؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مجھے شیخ کی قبر پر لے گیا۔

حزیں کی قبر سنگ مرمر کے ایک چبوترے پر ہے۔ اور تعویذ پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

العبد الراجی

رحمتہ ربہ محمد المدعو بعلی بن ابی طالب اللاہیجی

حزیں از پای رہ پیما بسی سرگشتگی دیدم
سر شوریدہ بر بالین آسائش رسید این جا
زبان دان محبت بودہ ام دیگر نمیدانم
ہمیں دانم کہ گوش از دوست پیغامی رسید این جا
روشن شد از وصال تو مشکل بار
صبح قیامت چراغ مزار ما

قبر کے سرہانے ایک سل نصب ہے جس پر یہ عبارت منقوش ہے:

"شیخ علی حزیں۔ وفات ۱۱ جمادی الاول ۱۱۸۰ھ"

علی حزیں کی قبر پر پتھروں کو کھود کر پرندوں کے پانی پینے کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ اور وہاں اگر بتیاں جلنے کے آثار بھی موجود تھے۔ قبر کے سرہانے ایک چراغ دان بھی بنا ہوا ہے۔

حزیں کی قبر سے چند قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی مسجد بھی موجود ہے جس میں نماز کے وقت دو صفیں ہو سکتی ہیں۔ میں ابھی مزار پر ہی تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ میں نے اسی مسجد میں پناہ لی اور بارش تھمنے کا انتظار کرتا رہا۔ مسجد کے محراب کی پیشانی پر یہ قطعہ تاریخ مرقوم ہے:۔

آن محمد جعفر عیسیٰ نفس		بانی مسجد شد از لطف کریم
مصرع تاریخ باشد حسب حال		حکمت نیک است این فعل کریم

اسی قبرستان میں ایک چار دیواری کے اندر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی قبر بنا رکھی ہے اور ایک گوشے میں ثانی الزہرا بی بی زینبؓ کا مزار بنایا ہوا ہے۔ شاید اسی وجہ سے یہ امام باڑہ " فاطمان" کہلاتا ہے۔ ایک گنبد کے نیچے حضرت علیؓ محوِ خواب ابدی دکھائے گئے ہیں۔

حزیں کی قبر سے جانب شمال چند میٹر کے فاصلہ پر ایک چھتری کے نیچے حضرت عباس علمدار کی قبر بنائی ہوئی ہے اسی طرح ایک تہ خانے میں حضرت حسینؓ کا مزار بھی بنایا ہوا ہے۔ بنارس کے اثنا عشریوں کو عراق و عرب جانے کی ضرورت نہیں وہ گھر بیٹھے بٹھائے ان بزرگوں کے مزارات کی زیارت کر لیتے ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب! علی حزیں فارسی زبان کا بہت بڑا شاعر تھا اور وہ اپنے مقابلے میں ہندوستان کے

کو "پوچ گویان ہند" کہا کرتا تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نواب صدر یار جنگ نے اس کی قبر کو "فارسی غزل کا مدفن"
قرار دیا ہے۔ ان کی یہ رائے ہے کہ حزیں کے بعد پھر اس پائے کا فارسی غزل گو پاک و ہند میں پیدا نہیں ہوا۔
حزیں کو بنارس کے ساتھ والہانہ عشق تھا وہ ۱۱۴۳ء میں یہاں آیا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ بنارس کے بارے
میں اس کا یہ شعر زبان زدِ خلائق ہے ؎

از بنارس نروم معبد عام است اینجا   ہر برہمن بچہ لچھمن و رام است اینجا

بعض تذکروں میں بچہ کی جگہ پسر بھی لکھنے میں آیا ہے لیکن اہل ذوق بچہ ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔
حزیں سے پہلے ملا طغری مشہدی (م ۱۰۷۸ھ) نے بھی بنارس کے ہندوانہ ماحول کو موضوعِ سخن بنایا تھا
اس کا ایک شعر ہے ؎

طغری بعشوہ خانۂ دل چو راہ نیست   ہر کرشمہ زاد بنارس غنیمت است

محمد یوسف نکہت بہانپوری المعروف بہ بھنو رضا نے بھی بنارس میں کچھ وقت گزارا تھا وہ بھی بنارس کے ماحول
سے مسحور ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اہل بنارس کے بارے میں اس نے کیا خوب کہا ہے ؎

بنارس زادگان شوخ اندیشہ   ہمہ گستاخ و چشمک باز عیار

بنارس عہد عتیق ہی سے ہندوؤں کے علوم و فنون کا مرکز رہا ہے اس شہر میں بارہ سو کے قریب مندر اور پاٹھ
شالائیں ہیں۔ مشہور مصلح بھگت کبیر بھی بنارس کا رہنے والا تھا اور یہیں سے اس نے اپنے مشن کا آغاز کیا تھا۔ عہد
اسلامی میں بڑے نامی گرامی مسلمان علماء و ادبا یہاں رہتے تھے۔ عہد جہانگیری میں ملا سعد اللہ پانی پتی یہاں مقیم تھا
وہ بڑا اچھا شاعر تھا۔ دارا شکوہ کا منشی بنواری داس ولی جو فارسی کا انشا پرداز تھا، بنارس ہی کا تھا۔ دارا شکوہ
نے یہاں کافی وقت گزارا۔ اور یہیں اس نے پنڈتوں کی مدد سے ہندوؤں کی مقدس کتاب اپنشد کا سنسکرت سے فارسی
میں ترجمہ کرایا تھا۔ اپنشد کا فارسی ترجمہ سر اکبر کے نام سے مشہور ہے۔ بنارس میں قیام کے دوران دارا شکوہ نے
مجمع البحرین لکھ کر ہندو مت اور اسلام کے درمیان ایک درمیانی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ دارا شکوہ کا
ہندو مت کی طرف رجحان اور ملحدانہ عقائد کے پیش نظر علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

تخم الحادے کہ اکبر پرورید   باز اندر فطرت دارا دمید

بنارس سے چھ کلو میٹر کے فاصلہ پر سارناتھ ہے جو بدھوں کا متبرک مقام ہے
علی حزیں کی قبر دیکھ کر میں سیدھا ہوٹل پہنچا۔ اور اپنا سامان اٹھا کر ریلوے اسٹیشن چلا گیا۔ دو بجے
کے قریب مجھے پٹنہ جانے والی ٹرین مل گئی اور میں شام کے ساڑھے سات بجے وہاں پہنچ گیا۔ (باقی)

MFTM-5-77

Asiatic

حق شفعہ کے مقدمات میں علما کی پیروی

(رپورٹنگ شیخ اکرام الحق سٹاف رپورٹر نوائے وقت)

وفاقی مجلس شوریٰ (وفاقی کونسل) نے حالیہ اجلاس میں قانون شفعہ کے مسودہ کی منظوری دی۔ اس دوران اکثر دفعات پر مولانا سمیع الحق کی نہایت اہم ترامیم بحث و تمحیص کے بعد ایوان نے بھاری اکثریت سے منظور کیں اور ووٹنگ میں ان ترامیم کے مخالف وکلاء اور ججوں کے ایک طبقہ کو شکست ہوئی۔ اس سلسلہ میں ایک ترمیم پر نوائے وقت اخبار کی رپورٹنگ من وعن پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

مجلس شوریٰ کے آج کے اجلاس میں حق شفعہ کے مسودہ قانون پر غور ہو رہا تھا۔ علماء کرام اور وکلاء کے درمیان گرما گرم بحث ہوئی۔ نوک جھونک کے درمیان کئی ارکان بیک وقت کھڑے ہوتے رہے۔ ان کے شور کو روکنے کے لئے بعض اوقات چیئرمین خواجہ صفدر کو انتہائی بلند آواز سے بولنا پڑا۔ انہوں نے علماء کے اس رویے پر کہ وہ کسی کی اجازت کے بغیر کھڑے ہوجاتے ہیں افسوس کا اظہار کیا۔ علماء اور وکلاء کے درمیان بحث حق شفعہ پر غور شروع ہونے کے وقت سے جاری ہے مگر آج رات اس وقت یہ گرما گرمی انتہا کو پہنچ گئی جب مسودہ قانون کی دفعہ ۳۲ پر مولانا سمیع الحق نے یہ ترمیم پیش کی کہ سٹینڈنگ کمیٹی کی ترمیم حذف کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کے مطابق اصل دفعہ شامل کی جائے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حق شفعہ کے مقدمہ میں کوئی بھی فریق اس امر کا مجاز ہوگا کہ کسی وکیل کے ساتھ یا اس کی جگہ کسی ایسے عالم دین کو جو حکومت کے تسلیم شدہ کسی دینی مدرسے کا تربیت یافتہ ہو اپنی طرف سے عدالت میں پیش کرے جب کہ سٹینڈنگ کمیٹی کی ترمیم یہ تھی کہ عالم دین اور وکیل دونوں کو عدالت میں پیش ہونا چاہیے مجلس شوریٰ کے وکیل ارکان اقبال احمد خان، محمود احمد منٹو اور چوہدری الطاف حسین نے مولانا کی ترمیم کی سخت مخالفت کی ان کا کہنا تھا کہ قانون کے معاملات پر وکلا ہی کو عبور حاصل ہے۔ مسٹر اقبال احمد نے جب یہ کہا کہ پاکستان بنانے والا ایک وکیل تھا جب کہ علمائے کرام تحریک پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ تو علماء نے احتجاج کیا۔ مولانا سمیع الحق نے اٹھ کر یہ کہا کہ پاکستان توڑنے والے بھی دو وکیل ہی تھے۔ اس کے بعد ماحول گرما گرم ہوگیا اور علماء اور وکلا میں سخت نوک جھونک شروع ہوگئی۔

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے کہا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو عالم دین کو ہی اذان دینے کے لئے بلایا جاتا ہے نکاح کا وقت ہو یا کوئی میت ہوجائے تو اس وقت بھی عالم دین ہی کو بلایا جاتا ہے۔ اگر وکیل عالم ہیں تو وہ خود نماز کیوں نہیں پڑھا لیتے۔

خواجہ صفدر نے ارکان کو بار بار تلقین کی کہ علماء اور وکلا آپس میں بحث نہ کریں۔ مسٹر محمود احمد منٹو نے ترمیم کی

مخالفت میں کہا کہ سٹینڈنگ کمیٹی کے علماء نے متفقہ طور پر اسے منظور کیا تھا۔ اب یہاں وہ مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔
قاری سعید الرحمن نے فوراً کہا کہ کسی عالم دین نے کمیٹی کے سامنے دفعہ ۴۲ پر اتفاق نہیں کیا تھا۔ مولانا عبد القدوس نے بھی اس کی تائید کی۔ اور کہا کہ جس وقت یہ دفعہ کمیٹی کے زیر بحث آئی تھی تو وہ خود نہیں تھے۔

اس وقت ایوان میں کافی شور تھا اور ایک عالم دین کی یہ آواز سنی گئی کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ حق شفعہ کے مقدمہ میں وکیل کی ضرورت نہیں پڑے گی تو وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب نے کھڑے ہوتے تمام ارکان کو بیٹھ جانے کی تلقین کی۔ تو صبیحہ شکیل نے کہا کہ اس بے معنی بحث پر قیمتی وقت ضائع نہ کیا جائے۔ حاجی سیف اللہ نے تجویز پیش کی کہ بحث بند کر دی جائے۔ اس پر خواجہ صفدر نے ایوان کی رائے لی جس نے بھاری اکثریت سے مولانا سمیع الحق کی تجویز منظور کر لی جس کے مطابق سٹینڈنگ کمیٹی کی ترمیم حذف کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کی اصل دفعہ کو مسودے میں شامل کیا گیا۔

جب دفعہ ۴۲ ایوان نے منظور کی تو علمائے کرام اور بعض دوسرے ارکان نے تالیاں بجا کر اس کا خیر مقدم کیا۔ اجلاس ختم ہوا تو بیشتر ارکان نے جو تاجر پیشہ اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق تھے علماء کرام کو مکمل تعاون کا یقین دلایا اور انہیں آج کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ (روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۲ء)

شفیق فاروقی
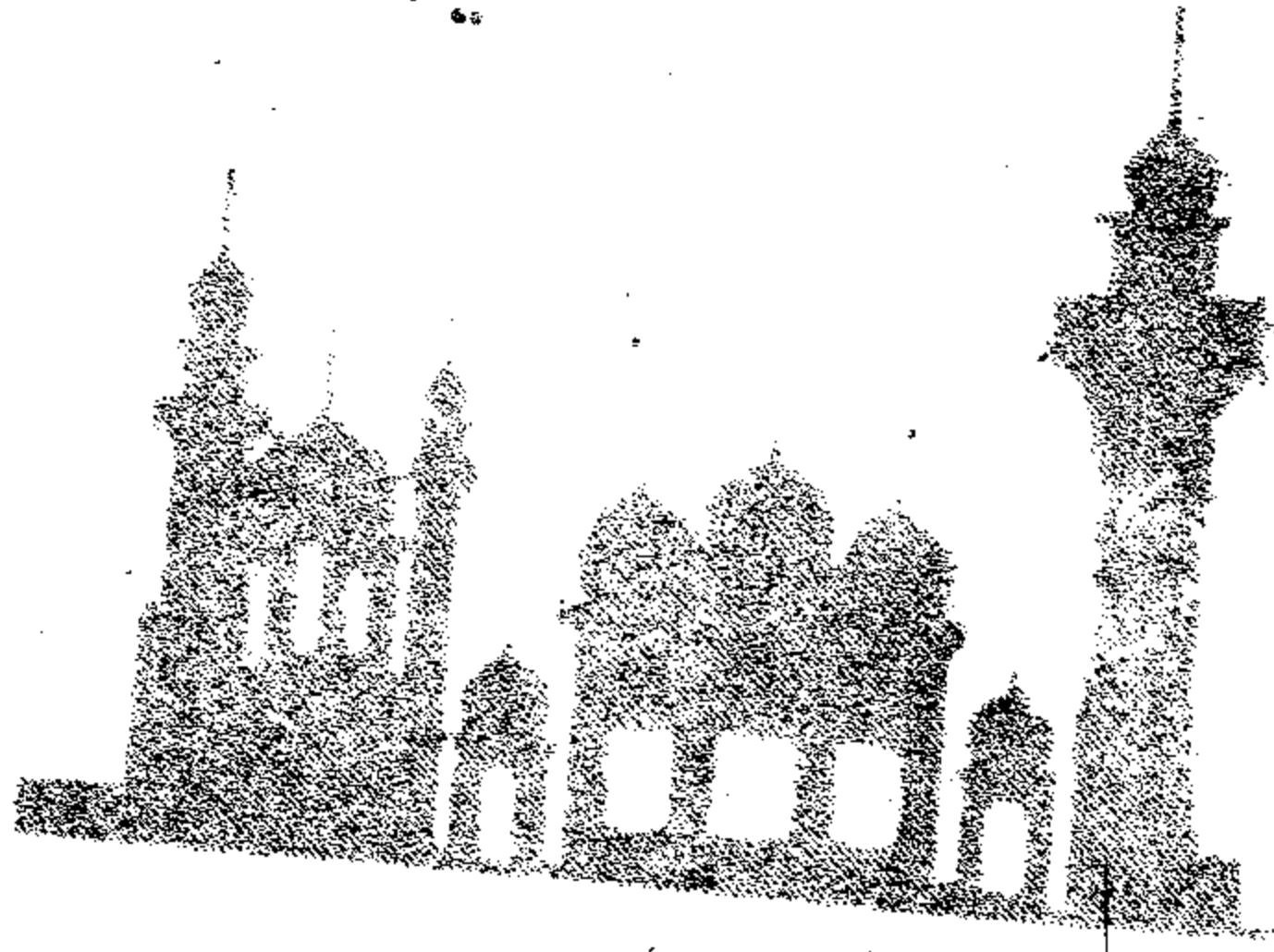
دار العلوم کے شب و روز

مولانا انظر شاہ کشمیری دار العلوم دیوبند کے عظیم محدث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری دیوبند سے تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم سے ملاقات کی۔ دوران گفتگو دار العلوم دیوبند کے ماضی میں زبردست تاریخی کردار، اکابر اساتذہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا اعزاز علیؒ اور ان کے تدریسی، تصنیفی، علمی اور مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ رہا۔ طلبہ کی خواہش پر مولانا انظر شاہ مدظلہ نے دار الحدیث میں ان سے خطاب بھی فرمایا جو الحق میں بھی شائع کر دیا جائے گا۔

تقریر کے اختتام پر دار الحدیث میں یہ منظر دیدنی تھا کہ مولانا موصوف حضرت شیخ الحدیث سے اجازت حدیث کی درخواست کر رہے تھے۔ اور حضرت کا اصرار تھا کہ میں اس کا اہل ہی نہیں۔ مولانا کا اصرار ہی رہا۔ بالآخر حضرت نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

ڈاکٹر مصلح الدین کی آمد ۱۲؍اکتوبر ۸۲ء ۱۹ مشہور محقق اور سکالر جناب ڈاکٹر مصلح الدین مشیر معتمد پاکستان برائے دینی تعلیم (سابقاً مقیم حیدرآباد دکن انڈیا) تشریف لائے۔ دار العلوم کے دفتر میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کی اور حضرت سے فلسفہ و ریاضی کے اہم مباحث پر گفتگو کی اور محظوظ ہوئے۔

مؤتمر المصنفین، دفتر الحق، کتب خانہ، درسگاہوں، رہائش گاہوں اور دار الافتاء کا معائنہ فرمایا۔ اور مولانا سمیع الحق کی معیت میں دار العلوم کے شعبہ مڈل سکول کی کلاسوں میں بھی گئے۔ اور دار العلوم کے کاموں پر دلی مسرت کا اظہار فرمایا۔ وہ اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں :

" اس درسگاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا انتظام نہایت ہی پرخلوص اشخاص کے ہاتھ میں ہے اور طلبہ کی رہائش کا اہتمام بوجوہ احسن انجام پا رہا ہے "

چینی علماء اور مسلمانوں کی آمد ۱۳؍اکتوبر چینی مسلمانوں کا ایک وفد جو فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد پاکستان آیا ہے۔ اور جو ملک کا دورہ کر رہا ہے۔ پروگرام کے مطابق دار العلوم حقانیہ آیا۔ حضرت شیخ الحدیث

دامت برکاتہم اس وقت ترمذی شریف کا درس دے رہے تھے۔ وفد کے ارکان پہنچنے کے بعد والہانہ طور پر سیدھے دارالحدیث میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت کے درس حدیث میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ درس حدیث سے فراغت کے بعد مہمانوں نے حضرت مدظلہ سے پرتپاک مصافحہ کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم کی طرف سے استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی۔ حضرت مدظلہ استقبالیہ کلمات میں فرمایا۔

"آج یہ ساعت نہایت خوشی، مسرت اور شادمانی کی ساعت ہے کہ اس ملک سے جس کے بارے میں " اطلبوا العلم ولو کان بالصین " کہا گیا ہے کے معزز علماء اور مسلمان تشریف لائے ہیں چین جیسا وسیع اور بڑا ملک پاکستان کے ساتھ بہترین و مضبوط تعلقات اور حد سے زیادہ دوستی و محبت کے رشتہ میں منسلک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چین نے آپ جیسے قابل، لائق اور فائق اہل علم حضرات کو پاکستان کے مسلمان بھائیوں سے ملنے اور ان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ ہم بھی آپ حضرات کے حالات معلوم کرنے کے آرزو مند تھے۔ اس ضمن میں دو سال قبل میرا بیٹا سمیع الحق بھی چین گیا تھا اور مسلمانوں کے حالات اور تفصیلات وہ مجھے سناتے رہے اور آپ لوگوں کے دور دراز علاقوں میں جاکر وہ بے حد خوش تھا۔ ہماری حسرت تھی کہ ہم اپنے ان بھائیوں کو دیکھیں اور ملاقات کریں۔ تو آپ حضرات کا ہم پر حد سے زیادہ احسان ہے کہ آپ نے قدوم میمنت سے مشرف فرمایا۔ ہم آپ کی آمد کے بہت ہی شکر گذار اور ممنون ہیں۔ حضرت مدظلہ العالی نے افغانستان کی جنگ آزادی میں چین کے تعاون پر حکومت کو بے حد سراہا اور دعا فرمائی۔ کہ پاک چین تعلقات اور مضبوط ہوں اور یہ طائفہ اور علماء کی یہ جماعت دین کی اور اسلام کی حفاظت کے لئے وہاں جاکر دین اسلام کی اشاعت کرے اور چینی مسلمانوں کو نشاۃ ثانیہ نصیب ہو۔ اور بہتر سے بہتر طریقے پر وہ مذہب اسلام پر کاربند رہ سکیں۔"

چینی وفد کے قائد جناب عبدالرحیم لیتیب نے جوابی تقریر میں حضرت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔

ہمیں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اور موجودہ تمام طلبہ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ دارالعلوم دیکھ کر ہم بہت متاثر ہوئے۔ ہم مولانا کی پرجوش دوستانہ تقریر کا شکریہ ادا کرتے ہیں ہم آپ سے یہاں سیکھنے آئے ہیں ہم مدرسہ دیکھیں گے۔ آپ کو دیکھیں گے اور آپ سے سیکھیں گے۔

چین اور پاکستان خاص کر مسلمانوں کی دوستی مضبوط اور اٹل ہے جو کافی عرصہ سے چلی آتی ہے اور انشاءاللہ روز بروز بڑھتی جائے گی۔

اس کے بعد دارالعلوم کے تمام شعبہ جات کو تفصیل سے دیکھا۔ کتب خانہ میں کتابیں بالخصوص قدیم قلمی نسخے دیکھ

دیکھ کر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے رہے۔ وفد نے حضرت مدظلہ کو اپنے ملک چینی رسم الخط میں ایک قیمتی طغریٰ تحفتہً پیش کیا۔ جسے دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں آویزاں کر دیا گیا۔ چینی وفد کے قائد عبدالرحیم لیتیب نے رائے بک میں اپنے تاثرات قلم بند فرمائے۔

مدیر الحق کا سفر حج | مدیر ماہنامہ الحق مولانا سمیع الحق ۲۰ ستمبر کو اسلام آباد سے عازم جدہ ہوئے۔ اجلاس سے قبل آپ نے وفاقی کونسل کی خصوصی کمیٹی برائے شفعہ کے اجلاس میں شرکت کی۔ روانگی کے وقت تمام طلبہ نے آپ کو الوداع کہی اور دعاؤں سے دارالحدیث میں جمع ہو کر نوازا۔ ۱۰ اکتوبر کی شب کو آپ زیارت حرمین الشریفین کی سعادت سے مشرف ہو کر اسلام آباد پہنچے۔ دوسرے دن ۱۱ اکتوبر کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے بعد شام ۴ بجے دارالعلوم پہنچے۔ باہر سڑک پر تمام اساتذہ و طلبہ سینکڑوں کی تعداد میں دو رویہ کھڑے ہوئے چشم براہ تھے۔ استقبال کے بعد دارالحدیث میں سب نے جمع ہو کر آپ کا خیر مقدم کیا اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے تمام حاضرین کے لئے دعا فرمائی۔

قابل رشک عالم کی قابل رشک موت | تلہ گنگ پنجاب کے مولانا حافظ نور محمد فاضل دیوبند جن کا حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دارالعلوم سے حد درجہ گہرہ پرخلوص اور عقیدت مندانہ تعلق تھا۔ عیدالاضحیٰ کے خطبہ کے دوران فکر آخرت اور تیاری موت کے عنوان پر تقریر فرماتے ہوئے خود موت کے لئے تیار ہو گئے۔ اور نماز پڑھنے سے قبل اپنے خالق سے جا ملے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔

مرحوم گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل ختم بخاری شریف کے موقع پر تشریف لائے اور اس موقع پر کمال اصرار سے حضرت سے بیعت بھی کی۔

دارالعلوم میں ان کی وفات پر مغفرت کی دعائیں کی گئیں۔

سندات وفاق کا معادلہ | ۱۳ ستمبر کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اسلام آباد میں جناب وزیر تعلیم محمد علی خان ہوتی کی صدارت میں معادلہ اسناد مدارس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے بحیثیت رکن کمیٹی اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اجلاس ۹ بجے سے ایک بجے تک جاری رہا۔ اختتام پر ظہرانے میں جناب صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب بھی شریک ہوئے اور تقریباً ڈھائی گھنٹہ تک ارکان کمیٹی سے تبادلہ خیال کیا۔ فضلاء مدارس عربیہ کی سند کو ایم اے کے برابر کر دینے کے سلسلہ میں کئی امور کو حتمی شکل دی گئی۔ اور تفصیلات کے لئے وفاق اور تنظیم المدارس کے زعماء سمیت ایک ذیلی کمیٹی تشکیل پائی۔

از حضرت مولانا عبد اللہ صاحب بھکر

حضرت مولانا قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی ؒ

محترم المقام جناب مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدکم ۔
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ، مزاج مبارک !

حضرت مولانا قاضی قمر الدین صاحب محدث چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر ایک مضمون ارسال خدمت کر رہا ہوں ۔ یہ مضمون خاندانی دستاویزات اور ثقہ روایات سے مرتب کیا ہے ۔ اس مضمون سے پہلے یہ حالات کسی نے قلم بند نہیں کئے ۔ باقی فتنۂ انکار حدیث کے متعلق بھی یہ تفصیل شائع نہیں ہوئی ۔ دور حاضرہ کے علاقے کے علماء بھی ان حالات سے ناواقف ہیں ۔ الحق پر اس مضمون کا حق ہے ۔ کہ اس کو شائع کریں ۔ اکوڑہ خٹک دار العلوم میں حاضری کے وقت حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کی مطبوعہ سند حدیث میں حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی دیکھا تھا ۔ دار العلوم کا اس لحاظ سے حضرت قاضی صاحب ؒ سے خاص تعلق ہے ۔ امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوں گے ۔

محمد عبد اللہ ، دار الہدیٰ ، بھکر

حضرت مولانا قاضی قمر الدین صاحب محدث چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت [illegible] رمضان المبارک [illegible] کو چکڑالہ[1] کے قاضی خاندان میں ہوئی ۔ آپ کے والد کا اسم گرامی قاضی محمد سلیمان تھا ۔ آپ نے قرآن مجید ایک مقامی حافظ صاحب سے اور ابتدائی دینی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں ۔ پھر انگہ ضلع شاہ پور میں کئی سال پڑھتے رہے ۔ اس زمانہ میں انگہ کا درس پنجاب کا مشہور اور کامیاب درس تھا ۔ آپ نے زیادہ کتابیں

---

[1] چکڑالہ ضلع میانوالی پنجاب کا مشہور قصبہ ہے جو میانوالی سے مشرق کی طرف ۳۲ میل کے فاصلہ پر ہے ۱۹۰۱ء میں میانوالی کو ضلع کا درجہ دیا گیا ۔ اس سے پہلے میانوالی ضلع بنوں کی تحصیل تھی اور چکڑالہ تحصیل میانوالی میں تھا ۔

اسی درس میں پڑھیں۔ ۱۲۹۳ھ میں سہارنپور تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور
حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے تفسیر و حدیث اور فنون کی بقیہ کتابیں پڑھیں۔ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ میں سند
فضیلت حاصل کر کے وطن تشریف لائے۔ ۱۲۹۸ھ میں بستی قاضیاں والی ضلع مظفر گڑھ میں حکیم قاضی فقیر محمد
صاحب سے طب پڑھی۔ مگر ابھی مطب شروع نہیں کیا تھا کہ آپ کے چچا زاد بھائی قاضی غلام نبی المعروف مولوی
عبداللہ چکڑالوی کو تبدیلی مذہب کی وجہ سے افتاء و خطابت کے مناصب سے معزول کر دیا گیا۔ علاقہ کے شرفاء
اور ذمہ دار لوگوں کے اصرار پر آپ نے یہ ذمہ داریاں قبول فرمائیں۔ اور ساتھ ہی تدریس بھی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ
نے آپ کے درس کو بہت جلدی مقبولیت اور شہرت عطا فرمائی۔ دور دراز کے طلبہ آنا شروع ہو گئے۔ ابتدا میں
تمام درجوں کے اسباق خود پڑھاتے تھے۔ بعد میں ابتدائی اسباق منتہی طلباء کے سپرد کر دیے۔ اور دورۂ حدیث بھی پڑھانا
شروع کر دیا۔ اور عمر بھر یہی معمول رہا۔

ان علاقوں میں دوسرے علوم و فنون کے ساتھ کچھ حدیث کی کتابیں پڑھا دی جاتی تھیں مگر باقاعدہ دورۂ حدیث
کا اہتمام نہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف آپ کو عطا فرمایا کہ آپ دورۂ حدیث کی تمام کتابیں باقاعدگی سے پڑھایا کرتے
تھے۔ پنجاب، سرحد اور افغانستان کے بہت سے طلباء جو دوسرے درسوں میں علوم و فنون کی تکمیل کرتے۔ دورۂ
حدیث کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ علماء میں آپ کی محدثانہ شان مسلم اور نمایاں تھی۔ کتنے علماء تھے جو معقولات
و منقولات کے جامع تھے مگر حدیث شریف پڑھنے کے لئے اپنے طلباء کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔

کوئی بات تو ہے ساقی کے میکدے میں ضرور جو دور دور سے میخوار آ کے پیتے ہیں

آپ کا بیعت و ارادت کا تعلق اس زمانہ کی شہرہ آفاق خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے سجادہ
نشین حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ ہمیشہ آپ کو الطاف و عنایات اور دعوات و توجہات سے نوازتے
رہے۔ اپنے چھوٹے فرزند صاحب زادہ سیف الدین کو آپ سے تعلیم دلوائی۔ حضرت صاحب زادہ خواجہ محمد سراج الدین
صاحب کی دستار فضیلت کی تقریب میں ان کے اساتذہ کرام اور اپنے خلفاء کبار کے ساتھ آپ کی دستار بندی کرائی۔
حضرت مولانا سید امیر علی شاہ دہلوی نے "مجموعہ فوائد عثمانی" کتاب مرتب کی اور حضرت سے تصحیح کی درخواست کی
تو حضرت نے آپ سے تصحیح کرانے کا حکم فرمایا:۔

" فرمودند کہ قاضی قمر الدین صاحب عنقریب ارادہ آمدن در خانقاہ شریف می دارند از وشاں صحت
بکنانید" (مجموعہ فوائد عثمانی ص ۵۲)

حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب نے ۱۳۱۴ھ میں سفر آخرت فرمایا۔ تو آپ نے ان کے جانشین فرزند شیخ کامل
حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی اور تکمیل سلوک کے بعد اجازت و خلافت سے

سرفراز ہوئے۔ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا۔ اور علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی تعلیم اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی ترویج و اشاعت کا فریضہ بھی پوری مستعدی سے انجام دیتے رہے۔ بہت سے خوش نصیب بندے آپ کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری کے ساتھ باطنی دولت سے بھی مالا مال ہوئے۔ شیخ اول کی طرح شیخ ثانی حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحب سے بھی کمال درجے عقیدت تھی۔ اور حاضر باشی و معیت کے ایک ایک لمحہ کو سرمایہ سعادت سمجھتے تھے ؎

فقر خواہی آں بصحبت قائم است　　نہ زباں در کار آید زوست

حضرت کے دل میں بھی آپ کی قدر و منزلت اور شفقت و محبت تھی۔ آپ کے ظاہری و باطنی کمالات کے قدردان اور معترف تھے۔ بعض اوقات آپ کے اشتغال بالحدیث اور اکل حلال کا خاص طور پر تذکرہ کر کے علو شان اور بلندی درجات کا برملا اظہار فرمایا۔ حضرت نے ۱۹۰۶ء میں خانقاہ شریف غنڈان (علاقہ خراسان) کو سفر کیا تو آپ کو بھی ہمرکابی کا شرف بخشا۔ یہ خانقاہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ اور اہل دل اور اصحاب درد کی امیدوں کا مرکز تھی۔ حضرت کے پہنچنے کی اطلاع پاکر چاروں طرف سے خلق خدا امنڈ پڑی۔ جب تک حضرت کا قیام رہا علاقہ کے علمائے متبحرین اور صوفیائے کاملین کی بہت بڑی جماعت حاضر باش رہی۔ ان علماء میں اکثر کو مختصر وقایہ حفظ اور شرح وقایہ مستحضر تھی۔ حضرت کی خدمت میں مختلف علمی سوالات پیش ہوتے، باوجود اس کے کہ خود علوم کے بحر ذخار تھے تمام سوالات کو آپ کی طرف محول فرماتے۔

حضرت نے ۱۳۲۴ھ میں سفر حج کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بھی ساتھ چلنے کا فرمان بھیجا۔ آپ نے نہایت مختصر وقت میں تیاری کی اور اپنے شیخ کی سرپرستی و معیت میں حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت کبریٰ حاصل کی۔

عامۃ المسلمین کی اصلاح کے لیے آپ نماز جمعہ کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ وعظ سادہ اور پرتاثیر ہوتا تھا جرائم پیشہ لوگ مجلس وعظ میں توبہ کرتے اور ان کی زندگیاں جرائم سے پاک اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہو جاتی تھیں۔ ان میں بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہو کر اللہ کی یاد میں لگ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت میں یہ فیضان اور تربیت میں یہ تاثیر رکھی تھی کہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلباء کی عملی حالت بھی بہت جلد سنور جاتی تھی۔ ان کی زندگیوں میں شریعت کا رنگ جھلکنے لگتا تھا۔ وہ سیرت و کردار میں سنت کے عملی نمونے نظر آتے تھے۔ ایسے نیک سیرت طلباء کو آپ شہر کی مساجد میں امام بنا دیتے۔ وہ تعلیم کے ساتھ امامت کی ذمہ داریاں بھی پوری کرتے تھے۔ یہ طلباء وعظ نہیں کہتے تھے۔ مگر ان کی عملی زندگی وعظ سے زیادہ اثر رکھتی تھی۔ ان کے پاکیزہ اخلاق اور عادات و خصائل سے لوگ متاثر ہوتے۔ غفلت اور بے راہ روی دور ہوتی۔ لوگ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہو جاتے اور مساجد نا زیبا ل

کی کثرت سے آباد اور پر رونق ہوتی تھیں۔

آپ کے تلامذہ میں بلند پایہ مفسر، محدث اور مشائخ طریقت ہوئے۔ حضرت مولانا ابو السعد احمد خان صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی۔ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب انہی شریف ضلع گجرات۔ حضرت مولانا غلام حسن صاحب بانی و سجادہ نشین خانقاہ سواگ شریف ضلع مظفر گڑھ۔ حضرت مولانا نور الزمان صاحب بانی و سجادہ نشین خانقاہ کوٹ چاندنہ ضلع میانوالی۔ حضرت مولانا پیر فضل حسین شاہ صاحب سجادہ نشین بہائی شریف ضلع میانوالی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب (خلیفہ مجاز مولانا حسین علیؒ) غورغشتی ضلع اٹک۔ حضرت مولانا محمد امیر صاحب جھنڈیر ضلع جھنگ۔ حضرت مولانا احمد دین صاحب کیلوی (خلیفہ مجاز مولانا احمد خان) ضلع شاہ پور۔ مولانا شاہ ولایت صاحب ضلع اٹک۔ حضرت مولانا رسول احمد صاحب بھتر ال ضلع اٹک۔ حضرت مولانا میاں محمد صاحب مجددی سجادہ نشین کفری ضلع شاہ پور۔

یہ سب حضرات حضرت قاضی صاحب کے شاگرد اور اپنے وقت میں علم و معرفت اور رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے شاگردوں نے علوم متداولہ میں رسوخ اور کمال حاصل کیا۔ سلوک و تصوف میں بھی کامل ہوئے۔ مسند تدریس اور مسند ارشاد کو زینت بخشی۔ آپ نے صرف نحو اور دیگر موضوعات پر عربی اور فارسی میں کئی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں مگر ایک آدھ کے سوا کسی کتاب کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ حاشیہ سنن ابی داؤد قمریہ، سفرنامہ حجاز، فرائد قمریہ، شرح فوائد صمدیہ، الضوابط السراجیہ اور اوقات نماز وغیرہ اب بھی غیر مطبوعہ آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے ایک بڑا کام یہ بھی لیا کہ آپ کے ذریعہ فتنۂ انکار حدیث کا استیصال ہوا۔ اس فتنہ کے بانی آپ کے حقیقی چچا قاضی نور عالم صاحب مرحوم کے فرزند قاضی غلام نبی تھے وہ ۱۲۹۵ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کرکے آئے۔ اور چکڑالہ کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے۔ چکڑالہ اور ملحقہ بستیوں کے لوگ ایک ہی جگہ ان کی اقتداء میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ سب لوگ دل سے احترام کرتے اور ان کے فتاویٰ کو تسلیم کرتے تھے۔

عرصہ بعد ان کے نظریات میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ یہاں تک کہ پہلے انہوں نے اپنے استاد ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کا عدم تقلید و انکار تقلید کا مسلک اپنایا اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے لگے۔ اس سے عام لوگوں میں ان کے فتاویٰ کا اعتماد ختم ہو گیا۔ اور لوگ کنارہ کش ہو گئے۔ محلے کے مقتدیوں نے فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین کی حد تک تو ساتھ دیا۔ مگر قاضی غلام نبی نے اس کے بعد ایسے مسائل بیان کئے جو لوگوں کے لئے موجب وحشت ہوئے تو عوام ان سے متنفر ہو گئے۔ اور علاقہ بھر کے ذمہ دار لوگوں نے اتفاق کرکے ان کو خطابت

دارالافتاء سے الگ کر دیا۔ اور یہ ذمہ داریاں حضرت مولانا قاضی قمر الدین صاحب کے سپرد کر دیں۔

قاضی غلام نبی نے انکار تقلید کے کچھ عرصہ بعد انکار حدیث کا فتنہ برپا کر دیا اور اپنے آپ کو اہل حدیث کی بجائے اہل قرآن کہلانے لگے۔ اس نئے باطل مذہب کی ایجاد کے بعد اپنا نام بھی بدل کر عبید اللہ رکھ لیا[۱]۔

چکڑالہ میں حضرت مولانا نور خان صاحب بھی تھے جو متقی اور جید عالم تھے۔ حضرت خواجہ محمد عثمان صاحبؒ موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ مجاز تھے۔ چکڑالہ کے غربی دیہات میں حضرت مولانا غلام صدیق صاحبؒ ڈھوک زمان والے تھے جن کا اپنے علاقہ میں اثر تھا۔ لوگوں کو ان سے عقیدت تھی۔ چکڑالہ سے مشرق میں چھ میل کے فاصلہ پر ونڈہ شاہ بلاول کے سجادہ نشین حضرت سید لال شاہ صاحب تھے۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری سے فیض یافتہ اور حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب سے مجاز تھے۔ بہت باکمال بزرگ تھے۔ اور متوسلین کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ علاقہ میں ان بزرگوں کے اثرات تھے۔ دعائیں اور توجہات تھیں۔ ان حضرات سے وابستگی بھی لوگوں کے لئے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ تھی۔ مگر میدان میں نکل کر تاریخ کے اس عظیم اور خطرناک فتنہ کی سرکوبی اور استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کے لائق اور مایہ ناز فرزند حضرت مولانا قاضی قمر الدین صاحبؒ کو منتخب فرمایا۔ قاضی غلام نبی جہاں بھی نظریہ انکار حدیث کرنے جاتے آپ بھی وہاں تشریف لے جاتے۔ لوگوں کو ان کے غلط عقائد سے آگاہ کرتے اور حدیث و سنت کا مقام اور حجیت بیان فرماتے۔ قاضی غلام نبی مباحثے کا چیلنج کرتے تو آپ چیلنج قبول کر کے مباحثے میں ان کو لاجواب اور مبہوت کر دیتے۔ قاضی غلام نبی برسہا برس اپنے علاقہ میں مارے مارے پھرے مگر آپ کی مبارک مساعی کی بدولت ان کی کوئی پذیرائی نہ ہوئی۔ اور وہ ایک آدھ کے سوا کسی کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکے۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ اپنے علاقہ سے کچھ دور نکل کر شہروں اور بستیوں کے سردار اور رئیس لوگوں کو تبلیغ کی جائے۔ ایسے لوگ پیروکار بن گئے تو غریب طبقہ آسانی سے مطیع ہو جائے گا۔ اس منصوبے کے تحت ضلع اٹک کے معروف شہر پنڈی گھیب پہنچے۔ ملک اولیا خان کے بنگلہ میں تقریر کی وہاں کے علماء اور عوام کے لئے ان کی تقریر میں نیا نظریہ اور نئی باتیں تھیں۔ لسان العرب، منتہی الادب، قاموس اور

---

[۱] قاضی غلام نبی نے سب سے پہلے اپنے دونوں صاحب علم بیٹوں (قاضی محمد ابراہیم اور قاضی محمد عیسیٰ) پر اپنی پیروی کے لئے دباؤ ڈالا۔ قاضی محمد ابراہیم نے صاف انکار کر دیا۔ اور والد کی جائیداد سے محروم ہو گئے۔ جلالپور پیروالا ضلع ملتان میں جا کر اقامت کر لی۔ اور آسودگی کی زندگی گذاری۔ قاضی محمد عیسیٰ نے جائیداد سے محرومی کے ڈر سے وقتی طور پر حامی بھر لی اور اپنا لڑکا محمد یحییٰ بھی والد کے حوالے کر دیا۔ آزمائشی دور گذار کر خود تو اسلام اور مذہب حنفی پر قائم رہ گئے مگر اپنے بیٹے یحییٰ کو واپس نہ لے سکے محمد یحییٰ نے اپنے دادا قاضی غلام نبی سے تعلیم پائی اور ان کے مذہب پر تا دم مرگ قائم رہا۔

مغنی اللبیب وغیرہ کے حوالے دے کر قرآن مجید کا ترجمہ کرتے تھے۔ علماء کی رائے سے ملک اولیا خان نے حضرت سید لال شاہ صاحب کی وساطت سے حضرت مولانا قاضی قمرالدین صاحب کی خدمت میں قاصد بھیجا۔ حضرت قاضی صاحب جب پنڈی گھیب پہنچے تو عصر کا وقت قریب تھا۔ اعلان ہوگیا۔ عصر کی نماز کے بعد ملک صاحب کے بنگلہ میں بہت بڑے اجتماع میں مباحثہ شروع ہوا۔ آپ نے قاضی غلام نبی کی ایک ایک بات کا قرآن مجید سے ہی رد کیا۔ اور ان پر سوالات وارد کئے۔ وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے :-

"اب مغرب کا وقت قریب ہے میں کل صبح ان تمام سوالات کے جوابات دوں گا"

صبح کے وقت لوگ ان کے جوابات سننے کے لئے جمع ہوئے مگر اطلاع ملی کہ وہ رات کی تاریکی میں پنڈی گھیب سے جا چکے ہیں۔ قریبی گاؤں "اخلاص" کے امام مسجد نے آکر بتایا کہ قاضی غلام نبی رات کو ہمارے گاؤں میں راستہ بھولے پھر رہے تھے۔ مجھ سے انہوں نے چکڑالہ کی طرف جانے کا راستہ پوچھا۔ میں نے گاؤں سے باہر ان کو راستہ پر لگا دیا اور وہ چکڑالہ چلے گئے۔

ایک دفعہ قاضی غلام نبی چکڑالہ سے تقریباً اسی میل دور فتح جنگ پہنچے۔ اپنی تقریر کا اعلان کرایا۔ لوگ جمع ہوئے۔ انہوں نے تقریر شروع کی، اس خیال سے کہ قاضی قمرالدین صاحب اتنے دور میرے پیچھے کہاں پہنچیں گے۔ دوران تقریر چیلنج کیا کہ "کہاں ہے قمرالدین، لاؤ اسے میرے مقابلہ میں" اتفاق سے حضرت قاضی قمرالدین صاحب اسی وقت ان کے تعاقب میں پہنچے تھے۔ اور قاضی غلام نبی کی آپ پر نظر نہیں پڑی تھی، آپ چیلنج کے الفاظ سن کر ان کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا کہ "جناب حاضر ہوں" قاضی غلام نبی بوکھلا گئے اور بدحواسی کے عالم میں تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے۔ مگر آپ نے تحمل اور سنجیدگی سے گفتگو فرمائی۔ قاضی غلام نبی کے لئے فرار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

قاضی غلام نبی نے اپنی شکستوں کا انتقام لینے کے لئے جھوٹے مقدمات شروع کر دئے۔ اپنے گھر کی پردہ کی باڑ کو اپنے ہاتھ سے آگ لگا دی اور چوکی پولیس میں پرچہ درج کرایا کہ قاضی قمرالدین صاحب کے کہنے پر ان کی اہلیہ نے میری باڑ جلا دی ہے۔ قاضی غلام نبی کے بھائی قاضی غلام رسول اور حضرت قاضی قمرالدین صاحب نے خانگی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے حصہ زمین میں مکانات اور مسجد کی تعمیر شروع کی تو قاضی غلام نبی نے دعویٰ دائر کر دیا کہ انہوں نے زائد زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔

قاضی غلام نبی دونوں مقدموں میں جھوٹے ثابت ہوئے ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ء میں حضرت قاضی قمرالدین صاحب کی اہلیہ کے بھتیجے محمد شاہ صاحب پر ایک رشتے دار سے زمین کا جھوٹا مقدمہ دائر کرا دیا۔ حضرت قاضی صاحب نے محمد شاہ کے سرپرست کی حیثیت سے مقدمہ کی پیروی کی اور ۱۳۱۵ھ میں محمد شاہ صاحب کے حق میں

فیصلہ ہوا [1]

حضرت مولانا قاضی قمر الدین صاحبؒ ۱۳۲۷ھ میں اپنے شیخ خواجہ محمد سراج الدین صاحبؒ کی خدمت میں وادی سون کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ ارادہ یہ تھا کہ رمضان شریف حضرت کی خدمت میں گزاریں گے۔ مگر رجب کے اواخر میں بیمار ہو گئے۔ اور بیماری نے ایسی شدت اختیار کی کہ حضرت نے آپ کو گھر پہنچانا ضروری خیال فرمایا۔ گھر پہنچ کر اپنے تلمیذ رشید حضرت مولانا حکیم نور الزمان صاحب کو علاج کی سعادت بخشی۔ علاج پوری محنت اور تسلسل سے ہوا۔ مگر یہ بیماری مرض وفات ثابت ہوئی۔ حضرت نے رمضان شریف کے اختتام پر وادی سون سے واپسی پر دربا خان میں قیام فرمایا۔ ہر دوسرے دن آپ کی حالت معلوم کرنے کے لئے ایک خادم کو چکڑالہ بھیجتے۔ سفر زیادہ ہونے کی وجہ سے خادم دوسرے دن واپس آتا تھا۔

۱۱ر شوال کو خادم کی واپسی کا انتظار کئے بغیر خود ریل میں سوار ہو کر تقریباً نصف شب میں اسٹیشن مسان پہنچ گئے۔ اسٹیشن سے قریبی گاؤں شکر پڑی سے گھوڑی لی اور دس میل کا سفر گھوڑی سے طے کر کے سحری کے وقت چکڑالہ پہنچے۔ حضرت قاضی صاحب کے آخری لمحات تھے۔ اپنے شیخ کا آخری دیدار کیا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

---

[1] قاضی غلام نبی کی اس جھوٹی مقدمہ بازی سے ان کی انسانی شرافت کا بھانڈہ پھوٹ گیا۔ اور لوگوں میں اور زیادہ ذلیل و رسوا ہوئے۔ جب دینی یا دنیوی لحاظ سے اپنا اعتماد کھو بیٹھے اور کوئی عزت نہ رہی تو اپنے پوتے محمد یحییٰ کو ساتھ لے کر لاہور چلے گئے۔ وہاں اشاعت القرآن کے نام سے رسالہ جاری کیا اور مذہب اہل قرآن کے نام سے نظریہ انکار حدیث کا پرچار کرتے رہے۔ جب بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے کام کاج کے قابل نہ رہے تو لاہور کی سکونت ترک کر دی اور اپنے ایک عقیدت مند ڈاکٹر کے پاس ملتان چلے گئے۔ ڈاکٹر نے اپنی انیس سالہ لڑکی خدمت کے لئے پیش کی۔ قاضی غلام نبی نے ۱۹۱۴ء میں اس لڑکی سے نکاح کر لیا اور اسے ساتھ لے کر چکڑالہ آ گئے کچھ دنوں بعد بیماری نے زور پکڑا تو میانوالی سے ملحقہ گاؤں یارو خیل میں اپنے ایک پیروکار کے ہاں چلے گئے۔ وہاں اس نوعمر اہلیہ سے ایک بچی بھی ہوئی۔ اوائل ۱۹۱۵ء میں یارو خیل میں ہی ان کی وفات ہوئی۔ اور وہیں ان کی وصیت کے مطابق ان کو دفن کر دیا گیا۔

چکڑالہ کی سرزمین نے مرنے کے بعد بھی انہیں قبول نہ کیا اور آج بھی میری تحقیق کے مطابق چکڑالہ کے پورے علاقہ میں ایک متنفس بھی ان کا پیروکار نہیں۔ مگر ان کا آبائی وطن ہونے کی وجہ سے یہ بدنامی چکڑالہ کے ذمہ ایسی پڑی کہ آج بھی لوگ ان کے خلاف اسلام نظریات کو چکڑالویت کا نام دیتے ہیں۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے

کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

حضرت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور زبان مبارک سے یہ شعر پڑھا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

۱۲ر شوال ۱۳۲۷ھ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۹ کو دن میں حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی اور علوم و معارف کا یہ خزانہ لحد کے حوالے ہوگیا۔

آپ نے اپنی زندگی میں حضرت مولانا قاضی کلیم اللہ صاحب کو اپنا جانشین مقرر فرمادیا تھا جو آپ کے شاگرد اور داماد تھے۔ معقولات و منقولات کے جامع اور محقق عالم تھے۔ آپ کے فتاویٰ کو سند کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ ترپن سال اپنے استاد کی مسند پر جلوہ فرما رہے۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۶۲ر کو وصال ہوا۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم

الی اللہ اشکو لا الی الناس اننی

اری الارض تبقی والاخلاء تذھب